محاضرات
علوم القرآن

مؤلف

محمد مرشد قاسمی

استاذ/ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

حسب ارشاد

حضرت مولانا حذیفہ صاحب وستانوی

مدیر/ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

ناشر

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا ضلع نندور بار مہاراشٹر

جملہ حقوق بحق جامعہ محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب: محاضرات علوم القرآن

نام مؤلف: حضرت مولانا محمد مرشد صاحب قاسمی

حسب ارشاد: حضرت مولانا حذیفہ صاحب وستانوی

کمپوزنگ: رفیق احمد اشاعتی کٹیہاری

سیٹنگ: مولانا محمد مہر علی قاسمی (دھنباد، جھارکھنڈ)

قیمت:

طباعت:

ملنے کا پتہ

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا ضلع نندور بار مہاراشٹر

پن نمبر 425415 فون نمبر 02567-52256

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	محاضرہ (۱) تعارف القرآن	
۲	محاضرہ (۲) صداقت القرآن	
۳	محاضرہ (۳) خصوصیات القرآن	
۴	محاضرہ (۴) حفاظت القرآن	
۵	محاضرہ (۵) اعجاز القرآن	
۶	محاضرہ (۶) اعجاز اسلوبی	
۷	محاضرہ (۷) قرآن کریم سے متعلق مخالفین کے شبہات	
۸	محاضرہ (۸) قرآن کی تعریف اور اس کے اسماء	
۹	محاضرہ (۹) وحی اور اس کی ضرورت	
۱۰	محاضرہ (۱۰) اقسام وحی	
۱۱	محاضرہ (۱۱) نزول قرآن	
۱۲	محاضرہ (۱۲) اسباب النزول (شان نزول)	
۱۳	محاضرہ (۱۳) شانِ نزول کا حکم	
۱۴	محاضرہ (۱۴) مکی و مدنی	
۱۵	محاضرہ (۱۵) جمع قرآن	

۱۶ محاضرہ (۱۶)تفسیر کا بیان

۱۷ محاضرہ (۱۷)اقسام تفسیر

۱۸ محاضرہ (۱۸)تفسیر بالدرایہ(تفسیر بالرائے)

۱۹ محاضرہ (۱۹)تفسیر کے لیے ضروری علوم

۲۰ محاضرہ (۲۰)صحابہ میں اساتذۂ تفسیر

۲۱ محاضرہ (۲۱)تفسیروں میں اسرائیلی روایات

۲۲ محاضرہ (۲۲)تابعین میں مفسرین

۲۳ محاضرہ (۲۳)چند تفسیری کتابوں کا تعارف

۲۴ محاضرہ (۲۴)دور جدید کی بعض عربی تفاسیر

۲۵ محاضرہ (۲۵)لسان القرآن

۲۶ محاضرہ (۲۶)نسخ کا بیان

۲۷ محاضرہ (۲۷)امثال القرآن

۲۸ محاضرہ (۲۸)محکم ومتشابہ

۲۹ محاضرہ (۲۹)ارض القرآن

۳۰ محاضرہ (۳۰)اقوام ارض القرآن

۳۱ محاضرہ (۳۱)اسلام سے پہلے عرب کی زبانیں

۳۲ محاضرہ(۳۲)مبہمات القرآن

پیش لفظ

قرآن کریم اللہ کی مقدس کتاب ہے جس کو کلام اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے، قرآن کے نزول سے لیکر عصر حاضر تک، علما اور مفکرین اس کے مختلف گوشے سے پردہ اٹھاتے رہیں، کبھی کسی نے اس کی بلاغت پر قلم اٹھایا کسی نے اس کے الفاظ پر، تو کسی نے تفسیر کے مختلف پہلوؤں پر۔ اس طرح قرآنی علوم اتنے پھیلے اور پھولے کہ علوم القرآن کے نام سے ایک مستقل علم وجود میں آگیا اور متاخرین اس پر خوب زور آزمائی کی اور کرتے چلے جارہے ہیں، اور علوم القرآن اس وقت اتنا مدون مرتب اور مہذب ہو چکا ہے کہ عربی جامعات میں مستقل ایک تخصص کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے، اور فن کی حیثیت سے بھی متعارف ہے۔

برصغیر کے جامعات و مدارس اسلامیہ میں اس پر توجہ کم ہے، جامعہ اکل کوا نے حالات اور زمانہ کے تقاضہ کے اعتبار سے جہاں بہت سے علوم وفنون کو اپنے نصاب میں جگہ دی ہے، مثلاً انگریزی، کمپیوٹر، علم کلام جدید، الغزو الفکری، الاقتصاد الاسلامی المعاصر، تقابل ادیان، تعارف فرق، وغیرہ، وہیں علوم القرآن کو بھی اپنے نصاب میں شامل کیا ہے، پچھلے چند سالوں سے عربی پنجم میں مختلف اساتذہ اپنے طور پر پڑھاتے تھے جس سے دشواری پیش آتی تھی، لہذا بندہ نے مولانا مرشد صاحب قاسمی (استاذ جامعہ) سے فرمائش کی اور چند کتابوں کی نشاندہی بھی کہ علوم القرآن کے اہم مباحث کو جمع کردیں، ماشاء اللہ موصوف نے بحسن وخوبی اس کام کو انجام دیا، اللہ قبول فرمائے۔ آمین

(مولانا) محمد حذیفہ وستانوی (صاحب) ناظم تعلیمات جامعہ اکل کوا

عرض مؤلف

الحمد لولیہ والصلوۃ علی اھلھا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد!

تمام علومِ شرعیہ خواہ عالیہ ہو یا آلیہ مدارسِ عربیہ کے طلبہ کا موضوع اور مبحث ہیں۔خصوصًا قرآن وحدیث اوران کے متعلقات تمام علوم وفنون سے کچھ زیادہ ہی شغف اوردل چسپی ہوتی ہے۔اور کیوں نہ ہو۔یہ دونوں چیزیں تو ہمارے دین اور شریعت کے جزءِ لازم اوراہم مستدلات میں سے ہیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "ترکت فیکم امرین ،لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ" (مؤطا) میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہوسکتے۔ایک تو کتاب اللہ اور دوسری اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وارشادات۔

ترجمۂ قرآن اور تفسیر پڑھنے والے طلبہ کے لئے قرآن کے مبادیات،تفسیری اصطلاحات اورمخالفین کے شبہات واعتراضات کا جاننا ازحد ضروری ہے،اس لئے جامعہ اکل کوا کے لائق ومدبر،اور ذی فہم مدیر تعلیم حضرت مولانا حذیفہ بن غلام محمد دستانوی(حفظھم اللّٰہ ورعاھم) نے اس طرف توجہ مبذول فرمائی کہ عربی پنجم کے طلبہ کے درمیان ہفتہ میں ایک مرتبہ علوم القرآن کے موضوع پر محاضرات کا سلسلہ شروع کیا جائے اور احقر کو اس کا مکلف بنایا گیا۔

احقر نے اسی رب المستضعفین پر بھروسہ کرتے ہوئے ذمہ داری قبول کرلی تقریبا پانچ سالوں سے محاضرات کا یہ سلسلہ جاری ہے۔طریقہ یہ ہوتا تھا کہ اس فن کی

مختلف معتبر کتابوں کا مطالعہ کر کے اس کا حاصل طلبہ کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔ جسے اکثر طلبہ اپنی کاپیوں میں لکھ لیتے۔ الحمد اللہ محاضرات کا یہ سلسلہ ایسا مفید اور مقبول ہوا کہ جامعہ کی فروعات اور دیگر مدارس سے ان کاپیوں کے سخت مطالبے اور تقاضے شروع ہو گئے۔ مزید یہ کہ جاری سال کے ششماہی امتحان میں علوم القرآن کے پرچوں کو دیکھ کر حضرت مولانا حذیفہ صاحب نے بڑی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

اور امتحان گاہ میں ہی حکم دیا کہ ان مضامین کو کتابی شکل دے دی جائے تا کہ امت کے لئے استفادہ آسان ہو۔ چناں چہ وہ مضامین ۳۲ محاضروں کی شکل میں بہت کچھ اضافے کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں۔ واضح ہو کہ ان مضامین کی ترتیب میں علوم القرآن کے موضوع کی تقریبا تمام ہی جدید وقدیم معتبر کتابوں سے استفادہ کر کے ان مضامین کو آسان اور مختصر عبارت میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فالحمد الله الذي بنعمته تتم الصالحات.

اخیر میں، میں ان تمام رفقاء خصوصا مولانا مہر علی صاحب قاسمی، مولانا شفیع احمد صاحب قاسمی، مولانا رفیق صاحب اشاعتی اور شعبۂ کمپیوٹر کے تمام طلبہ کا ممنون ہوں جنہوں نے کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے اہم کام کو بشاشت کے ساتھ صرف ایک ہفتہ کی قلیل مدت میں انجام دیا۔ اللہ ان سب کو اپنی شایان شان بدلہ نصیب فرمائے اور اپنے خاص محبوب ومقبول بندوں میں شامل فرمالے (آمین)

دعاء ہے کہ اللہ اس مجموعہ کو اور قرآن کی نسبت پر اس متواضعانہ خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور پوری امت کے لئے ذریعہ نجات اور طلبۂ مدارس کے لئے مفید تر بنائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

محمد مرشد قاسمی/ ۷/ شعبان ۱۴۳۵ھ

محاضرہ (۱)

تعارف القرآن

چھٹی اور ساتویں صدی میں افق عالم پر کفر وشرک، جہل وضلالت کی گھنگھور گھٹائیں چھارہی تھیں سطح ارض پر گھپ اندھیرا تھا۔ ظلم وطغیان، کفر وعصیان کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔ زمین پر بسنے والے انسان خدائے واحد کو بھول گئے تھے۔ انبیاء کی تعلیمات کو مسخ کر دیا تھا۔ خدا پرستی، نفس کشی، علم وفن، امن وامان، شرم وحیاء، رحم وکرم، عدل وانصاف، تہذیب واخلاق، الفت ودیانت کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ مردم خوری، مردہ خوری، انسانی قربانی، دختر کشی، خودکشی، قمار بازی، شراب نوشی طبیعتِ ثانیہ ہوگئی تھی، اتنے میں طلوع سحر ہوا۔ غیرت حق کو غیرت ہوئی کہ خدائے پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اور نسخۂ کیمیا یعنی قرآن پاک عطاء فرمایا۔ (تاریخ القرآن) اس عظیم کتاب اور نسخۂ کیمیا کا ایک مختصر تعارف قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) قرآن مجید ایک غیر مشتبہ کتاب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ذلک الکتاب لاریب فیہ﴾ (البقرہ) یہ ایسی کتاب ہے جو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿لایاتیہ الباطل من بین یدیہ و لامن خلفہ تنزیل من حکیم حمید﴾ (حم السجدہ) باطل اس کے آگے پیچھے کسی سمت سے نہیں آسکتا، کیونکہ یہ حکیم وحمید ذات کا نازل کردہ ہے، قرآن کریم چونکہ علم الٰہی کا سرچشمہ ہے، اور علم الٰہی کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ﴿اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ

وَأَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾ (الجن) اس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے، اور ہر چیز کو گن رکھا ہے۔ غرضیکہ کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے مخفی نہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ﴾ (سبا) آسمان وزمین کی ذرہ برابر کوئی چیز اس سے غائب نہیں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی اور بڑی چیز مگر وہ لوحِ محفوظ میں ثبت ہے۔ جس ذات کے علم کا یہ حال ہو یقیناً اس کی کتاب ہر شک وشبہ سے بالاتر ہی ہوگی۔

(۲) قرآن مجید ایک مفصل اور محکم کتاب ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے ﴿كِتٰبٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ (ھود) یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل اور محکم ہیں حکیم وخبیر ہستی کی طرف سے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾ (انعام) اس ذات نے تمہاری طرف ایک مفصل کتاب نازل کی۔

قرآن ہر امر کو تفصیل کے ساتھ اور کھول کھول کر بیان کرتا ہے، لیکن یہ ملحوظ رہے کہ قرآن کتاب شریعت ہے، اس لیے وہ دین کے اصول اور شریعت کے کلیات کو بیان کرتا ہے، جزئیات کو نہیں چھیڑتا، جزئیات کی تفصیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ (النحل) ہم نے آپ کی طرف نصیحت نامہ اتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کریں، چنانچہ ارکانِ اربعہ اور دیگر امورِ شریعت کی تفصیل احادیث کے ذخیرے میں موجود ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ قرآن کتاب شریعت ہونے کی وجہ سے دنیوی علوم وفنون اور

صنعت وحرفت کو بیان نہیں کرتا۔

(۳) قرآن فرقان ہے، حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی واحد کتاب ہے، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿تبٰرک الذي نزل الفرقان علی عبده﴾ (الفرقان) عالی شان ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا، ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿لیمیز الله الخبیث من الطیب﴾ (انفال) (قرآن نازل کیا) تاکہ خبیث کو طیب سے جدا کرے۔

(۴) وہ مصدق اور مہیمن ہے اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وانزلنا الیک الکتٰب بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتٰب ومهیمنا علیه﴾ پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق اور حفاظت کرتا ہے، گذشتہ تمام ادیان اصولِ دین میں شریک رہے ہیں، قرآن نے انہیں اصولوں کو دہرایا، جس سے تمام کتابوں اور انبیائے کرام کی تصدیق ہوگئی اور چونکہ قرآن قیامت تک باقی رہنے والی کتاب ہے، جس سے ان تمام اصولوں کی حفاظت بھی ہوگئی۔ (خطاب علی میاںؒ)

ضرورت القرآن:

انسانوں کے لیے تین ذرائع علم ہیں: (۱) حواسِ خمسہ (۲) عقل (۳) وحی

بہت سی چیزوں کو ہم حواس سے جانتے ہیں، مثلاً زید کالا ہے یا گورا ہے آنکھ سے دیکھ کر جان لیا جاتا ہے، اس سے آگے یہ کہ اس کے ماں باپ ہیں گرچہ ہم نے اس کے ماں باپ کو نہیں دیکھا لیکن عقل کہتی ہے کہ زید بغیر ماں باپ کے وجود میں نہیں آیا۔ اس سے آگے ایک تیسرا مرحلہ آتا ہے کہ زید کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا، اس کے اوپر کیا حقوق و فرائض عائد ہوتے ہیں اس کے لیے وحی الٰہی کی ضرورت ہے۔

معلوم ہوا کہ ہدایتِ عقل کے آگے انسان ایک آسمانی روشنی کی تلاش میں ہے، یہی ربانی ہدایت ہے، اللہ کا ارشاد ہے، ﴿قل انّ هدى الله هو الهدى﴾ آپ فرما دیں کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے جس سے دنیا والوں کو رہنمائی حاصل ہوئی، آج دنیا میں ہر ادنیٰ چیز اعلیٰ پر قربان ہو رہی ہے، پھل اگر انسان پر قربان ہو جائے تو کہتے ہیں کہ پھل کام آ گئے ورنہ وہ سوکھ کر ضائع ہو جاتے۔

جمادات، نباتات، حیوانات سب انسانوں پر قربان ہو رہے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ انسانوں کو اپنے سے اعلیٰ و بالا ذات یعنی اللہ پر قربان ہونا چاہیے ﴿فذالكم الله ربكم فاعبدوه﴾ وہی اللہ تمہارا رب ہے تم اس کی عبادت کرو اسی اللہ اور اس کے پیغام کی تلاش ضرورت القرآن ہے۔ (آثار التنزیل)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: ان العلوم العقلية كالاغذية والعلوم الشرعية كالادوية، وان الشخص المريض سيضر بالغذاء متى فاته الدواء، فكذلك أمراض القلوب لا يمكن علاجها الا بالأدوية المستفادة من الشريعة. (احیاء ۳)

علومِ عقلیہ غذا کے مانند ہیں اور علومِ شرعیہ دوا کے مانند ہیں۔ بسا اوقات مریض انسان کو غذا نقصان پہونچاتی ہے جب کہ دوا فوت ہو جائے، اسی طرح قلوب کی بیماریوں کے علاج کے لیے وہی دوائیں مفید ہوں گی جو شریعت سے مستفاد ہوں۔

اور یہ ضمانت کہ قرآن ہی اس ضرورت کو پورا کر سکتا ہے، اس کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہی ایک آسمانی کتاب اور نظام ہدایت ہے جو زمانے کے دست و برد سے محفوظ ہے کوئی کتاب ابدی تحفظ کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ جو کتاب اپنے وجود کو بقا نہیں بخش سکتی وہ مردہ قوموں کو ہمیشہ کی زندگی کس طرح دے سکے گی۔ (آثار التنزیل)

محاضرہ (۲)

صداقت القرآن

ہر کتاب میں مصنف کے نظریات، تجربات کی جھلک ہوتی ہے، قرآن آسمانی کتاب ہے، اس لیے اس میں علمِ الٰہی جھلکتا ہے، کہیں بھی علاقائی رنگ نہیں ملتا، ہر جگہ آفاقی رنگ ملتا ہے۔ اسی طرح کتاب میں جو غیبی خبریں دی گئیں، اور یہ کہ وہ دلوں کے وسوسے اور دھڑکنوں کو جانتا ہے۔

مشرکین کے مشورے، منافقین کی خفیہ تدبیریں مسلمانوں کے راز کی باتیں، آئندہ ہونے والے امور، غلبۂ رسالت کا اعلان، مشرکین کی مغلوبیت اور شکست کا اعلان، یہودیوں کی ذلت، بنونضیر، بنوقینقاع کی جلاوطنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی طرف واپسی کی خبر، یہ سارے امور قرآن کریم کی صداقت اور حقانیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

(آثار التنزیل)

ان کے علاوہ اور چند ایسی دلیلیں ہیں جو واضح طور پر قرآن کریم کی صداقت اور کلامِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

(۱) **دلیل نظامی:** یعنی قرآن نے انسانی زندگی کے لیے ایک نظام قائم کیا، وہ جانوروں کی طرح انسانوں کو آزاد نہیں چھوڑتا، وہ نظام انسانی طاقت سے بالاتر ہے، انسانی طاقت ہرگز ایسا نظام تیار نہیں کرسکتی۔

(۲) **دلیل شمولی:** قرآن کریم میں چند ایسی باتیں شامل ہیں جو انسانی کلام میں نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح ہر انسانی کلام میں جذبات کا دخل ہوتا ہے جذبۂ قہر کے تحت ہو تو جذبۂ رحم نہیں ہوسکتا۔

جذبۂ رحم میں قہر کا پہلو نہیں ہوسکتا، لیکن قرآن تبشیر وتنذیر، جنت ودوزخ، قہر ورحم سب کو ایک ساتھ مختلف مقامات پر ذکر کرتا ہے جیسے ﴿نبئ عبادي أني أنا الغفور الرحيم، وأن عذابي هو العذاب الأليم﴾(الحجر)

اسی طرح ہر انسان کے کلام میں بیرونی دباؤ کا اثر ملتا ہے لیکن قرآن نے بڑی بڑی طاقتور قوموں کی ہلاکت کے تذکرے کے بعد فرمایا ﴿ولا يخاف عقبها﴾ اسے انجام کا کوئی ڈر نہ ہوا۔

(۳) **دلیل غیبی:** قرآن پاک میں بے شمار غیبی باتیں، خبریں اور پیش گوئیاں موجود ہیں جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں۔ (علوم القرآن افغانیؒ)

(٤) **دلیل تالیفی:** ایسے مفردات، جملے اور تعبیرات سے مرکب ہے جو انسانی طاقت سے ماوراء ہیں نیز انسان اپنی تصنیف کو ابواب وفصول کی شکل میں مرتب کرتا ہے، قرآن اس اسلوب سے بالاتر ہے۔

(۵) **دلیل ملکی:** ہر ہر جملے میں شاہی شان اور فرمان کا اثر جھلکتا ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھڑا ہوا کلام نہیں ہے، اپنے کلام کا خود اپنی ذات پر کوئی اثر نہیں ہوتا، خصوصاً جب کہ جھوٹ گھڑنے کا مجرمانہ احساس شامل ہو، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حسنا اثر ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حسی اثر کی تین صورتیں محدثین نے ذکر کی ہیں۔

۱۔نزولی اثر۔۲۔قلبی اثر۔۳۔قالبی اثر

نزولی اثر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا تو سخت سردی کے موسم میں بھی پسینہ آجاتا۔ ''عن عائشةؓ لقد رأيته ينزل عليه الوحي في اليوم الشديد البرد فيفصم عنه وإن جبينه يتفصد عرقا''۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے سخت سردی کے موسم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھا کہ وحی نازل ہورہی ہے اور آپ کی پیشانی پسینے سے شرابور ہے۔

وحی کے وقت کلام کے ثقل اور بوجھ کا احساس ہوتا، اسی لیے اس قرآن کو قول ثقیل کہا گیا ﴿إنا سنلقي عليك قولاً ثقيلا﴾ (المزمل)

ہم آپ کے اوپر ایک بھاری کلام اتارنے والے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ثابتؓ کی ران پر آرام فرمارہے تھے کہ وحی نازل ہونے لگی تو حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: ''كادت فخذي أن ترض'' ایسا لگتا تھا کہ میری ران ٹوٹ جائے گی۔ (علوم القرآن افغانیؒ)

(۲) قلبی اثر: قرآن سنتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بسا اوقات رونا آجاتا آنکھیں اشکبار ہوجائیں اور دل دھڑکنے لگتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تلاوت کا حکم دیا، میں جب سورۂ نساء کی تلاوت کرتے ہوئے ﴿فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا﴾ (النساء) پر پہنچا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہیں۔ ایک مرتبہ ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادك وإن تغفر لهم فإنك أنت العزيز الحكيم﴾ (المائدہ)

یہ آیت پڑھتے پڑھتے روتے ہوئے پوری رات گزار دی۔

تہجد کے وقت مطرف بن عبداللہؒ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے وہ فرماتے ہیں: ''كان يصلي ولجوفه ازيز كأزيز المرجل''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ کے جوف سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے ہانڈی ابل رہی ہو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات نماز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے'' فلم يزل يبكي حتى بل حجره، وكان جالسا فلم يزل يبكي حتى بل لحيته ثم بكى حتى بل الأرض'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر روتے رہے یہاں تک کہ گود مبارک تر ہوگئی، پھر بیٹھے بیٹھے مسلسل روتے رہے کہ داڑھی مبارک تر ہوگئی، رونے کا سلسلہ دیر تک جاری رہا کہ زمین تر ہوگئی۔ (ترغیب)

یہ سب کلام الٰہی کا حسی اثر تھا۔ اپنے تالیف کردہ کلمات کا یہ اثر ہرگز نہیں ہوتا، اور تصنع اور بناوٹ سے کوئی اپنے کو پسینے سے شرابور نہیں کرسکتا۔

(۳) قالبی اثر: قول میں تکلف نہیں ہوتا، لیکن عمل میں بڑی مشقت ہے، بناوٹی کلام صرف دکھانے کے لیے ہوتا ہے، لیکن اس کلام کا اثر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل کے علاوہ پورے جسم اور قالب پر بھی ہوتا تھا۔

﴿فاعبد الله ملخصًا له الدين﴾ (الزمر) پر عمل پیرا ہونے کے لیے اتنی لمبی لمبی نمازیں پڑھتے کہ پاؤں مبارک میں ورم آجاتا۔ دعوت وتبلیغ کی محنت کے بعد حکم خداوندی کی تعمیل کے لیے نوافل وتہجد میں اپنے کو تھکاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فإذا فرغت فانصب﴾ کہ جب آپ دعوت سے فارغ ہوجائیں تو (دعاء عبادت) میں اپنے کو تھکائیں۔ (علوم القرآن افغانی)

محاضرہ (۳)

خصوصیات القرآن

(۱) واحد الہامی کتاب جس کی زبان زندہ ہے، توریت کی زبان عبرانی تھی، جو آج کہیں نہیں بولی جاتی، زبور کی زبان سریانی تھی، انجیل کی زبان یونانی تھی، ویدوں کی زبان سنسکرت ہے، یہ سب زبانیں آج کہیں نہیں بولی جاتی ہیں۔

(۲) واحد الہامی کتاب جو ایک کتاب ہے، یہودیوں کے پاس ایک تورات نہیں، بل کہ وہ عہد نامہ ہے جس میں بیسوں صحیفے شامل ہیں۔

عیسائیوں کے پاس ایک انجیل نہیں، بل کہ متی، مرقس، لوقا، یوحنا، چار چار انجیل ہیں۔ وہ انجیل ہرگز پیش نہیں کر سکتے جو عیسیٰ علیہ السلام پڑھتے تھے۔

ہندوؤں کے پاس چار وید ہیں، یہ چار کتابیں ہیں ایک کتاب نہیں، تعجب ہے کہ ایک قوم لیکن ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تو وہ کیسے کسی آسمانی رہنما کے گرد جمع ہوں گے۔

(۳) واحد الہامی کتاب جو ہر ملک میں اصلی زبان میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، آج ساری کتابیں اپنی اصلیت کھو چکی ہیں۔

(۴) واحد الہامی کتاب جو لاکھوں کو یاد ہے۔

(۵) واحد الہامی کتاب جو تواتراً منقول ہے۔

(۶) واحد الہامی کتاب جس کی نظیر لانے سے دنیا عاجز ہے۔

(۷) واحد الہامی کتاب جو عبادت و سیاست دونوں کو جامع ہے۔

(۸) واحد الہامی کتاب جس نے پہلی کتابوں کو منسوخ کیا۔

(۹) واحد الہامی کتاب جس کا تعارف اسی کتاب میں موجود ہے۔ بھیجنے والا اللہ ﴿الله الذي أنزل الكتٰب بالحق﴾ اسے کون لایا؟ ﴿نزل به الروح الأمين﴾ کس زبان میں ہے؟ ﴿بلسان عربي مبين﴾ کس پر اتاری گئی؟ ﴿نزل على محمد﴾ اس کا منصب ﴿إنک لمن المرسلين﴾ حدود دعوت ﴿ليكون للعٰلمين نذيرًا﴾ کب اتری؟ ﴿شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن﴾

(۱۰) واحد الہامی کتاب جس کی تعریف مشرکوں نے کی "الفضل ما شهدت به الأعداء" (آثار التنزیل)

(۱۱) دلوں کو نرم کرنے کا سبب ﴿الم يأن للذين امنوا أن تخشع قلوبهم لذكر الله﴾ (الحدید) کیا ایمان والے کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے جھک جائیں۔ حضرت جعفر طیارؓ نے جب شاہ حبش کے سامنے سورہ مریم کی تلاوت کی تو آنسوؤں کی لڑی بن گئی۔ حضرت عمرؓ نے کفر کی حالت میں بہن سے سنا تو رقت طاری ہوگئی، آمنوا باللہ پر پہونچے تو کلمہ پڑھ لیا۔

(۱۲) زہر دور کرنے کا ذریعہ، قرآن روحانی اور جسمانی دونوں بیماریوں کے لیے نسخۂ شفا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "القرآن هو الدواء"۔

(جامع صغیر: رقم ۲۱۸۷)

ابو سعید خدریؓ نے سانپ کے ڈسے ہوئے شخص کو سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا، تو شفا ہوگئی۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿شفاء لما في الصدور﴾ پریشان آزردہ لوگوں کے لیے سکون واطمینان کا سبب، اور دکھی دلوں کے لیے شفا ہے۔ (بخاری: ۸۵۴)

(۱۳) جادو کے اثر کا دور ہونا۔لبید بن عاصم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا۔معوذتین کی دوسورتیں اللہ نے نازل فرمائیں جس سے شفا ہوگئی۔زہر ایک مادی ضرر ہے، جادو ایک غیر مرئی چیز ہے، قرآن دونوں کی کاٹ ہے۔

(۱۴) مخلوق کا کلام بطور عبادت کے نہیں پڑھا جاتا۔یہاں تک کہ حدیث پاک بھی عبادت کے طور پر نہیں پڑھی جائے گی۔ہاں عبادت اور چیز ہے برکت اور چیز ہے۔ بعضے محدثین کا کسی بلا ومصیبت کے وقت بخاری شریف کی تلاوت کرنا برکۃً ہوتا ہے عبادۃً نہیں، برکت مخلوق میں ہوسکتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿جعلنی مبٰرکًا این ما کنت﴾ (مریم) اللہ نے مجھے بابرکت بنایا، جہاں بھی رہوں، مسجد اقصیٰ کے بارے میں ارشاد ہے ﴿بٰرکنا حولہ﴾ اس کے اردگرد اللہ نے مادی اور روحانی برکتیں رکھی ہیں۔

مادی برکتیں تو پھلوں کی پیداوار کی کثرت ہے، اور روحانی برکتیں ہیں یہ کہ زیادہ تر انبیاء کرام اسی علاقے میں مبعوث ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔(آثار التنزیل)

(۱۵) ﴿انہ لقول فصل﴾ یہ قرآن قول فیصل ہے، بنی نوع انسانی کے جملہ اختلاف کو ختم کرنے کے لیے بہترین کتاب ہے۔

(۱۶) تدریجاً اترا۔یہ خصوصیت کسی کو حاصل نہیں، جس سے یہ فائدہ ہوا کہ جس موقع پر آیت اتری اس کا سمجھنا آسان ہوگیا۔اور عمل بھی آسان ہوگیا کہ علمی نشان کے ساتھ عملی نشان بھی قائم ہوجائے۔علم اس وقت پیچیدہ ہوجاتا ہے، جب کہ عمل ساتھ نہ چلے لیکن اسلام اور قرآن اپنے آغاز ہی سے رسالت کے پہلو بہ پہلو، اور امت عملِ رسالت کے پہلو بہ پہلو چلی۔

(۱۷)نصیحت پکڑنے اور آخرت کی یاد دہانی کے لیے آسان ہے جیسا کہ ارشاد ہے﴿ ولقد یسرنا القرآن للذکر ﴾(القمر)لیکن اس کے کلیات اور امثال وعبر کو عالموں کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿وما یعقلها إلا العالمون ﴾ اس کی باریک باتوں کو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر عوام ایسی آیتوں کے بارے میں کیا کریں، اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کی تقلید کریں۔ پھر علماء میں درجے بہت ہیں اس لیے ایسے عالموں کی تقلید کریں جن کو راسخین فی العلم کہا گیا، یہی صحابہ اور سبیل المؤمنین کی پیروی ہے۔

(۱۸)یہ واحد کتاب ہے جس میں تمام منابع علم کی کلید موجود ہے﴿ربنا ما خلقت هذا باطلا ﴾انسان کو قیامت تک کائنات کے متعلق جتنی چیزوں کا علم حاصل ہوگا یہ آیت اس کی کلید ہے۔(آثار التنزیل)

(۱۹)اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ کتاب قیامت تک کے لیے بنی نوع انسان کے لیے رہنما ہے اس لیے اس کی حفاظت کا پختہ وعدہ ہے، دوسری کتابیں ایک مخصوص مدت تک کے لیے تھیں اس لیے ان کی حفاظت کا وعدہ نہیں کیا گیا ہے۔

(۲۰)اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی دعوت انسانوں سے متجاوز ہو کر جناتوں تک پہونچی اور وہ بھی اس پر ایمان لائے﴿قل أوحي إلیّ أنه استمع نفر من الجن فقالوا إنا سمعنا قرآنا عجبا﴾(الجن)

لاکھ ستارے ایک طرف ظلمت شب جہاں جہاں
ایک طلوع آفتاب کوہ و دامن سحر سحر

محاضرہ (٤)

حفاظت القرآن

قرآن کریم کا عدیم النظیر معجزہ حفاظت ہے:

﴿وانہ لکتٰب عزیز لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید﴾ یہ بڑی باوقعت کتاب ہے، باطل اس کے آگے پیچھے (کسی سمت) سے نہیں آسکتا یہ حکیم وحمید ذات کا نازل کردہ کلام ہے۔

پہلی کتب مقدسہ، صحف سماویہ جہاں جہاں، جتنے جتنے وقت کے لیے کائنات کے افق ظلمت کو ضیاء بار کرتے رہے، اور جب ان کا وقت قریب آیا تو ان کے نگراں بھی ان کی حفاظت نہ کر سکے، لیکن جب یہ فیصلہ ہوا کہ آخری پیغمبر ایک عالمگیر پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث ہوں تو یہ طے ہوا کہ آفتاب ہدایت پر کبھی غروب کی منزل نہ آئے۔

چوں کہ پہلی کتابوں کی حفاظت قوم کو سونپی گئی تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿بما استحفظوا من کتٰب اللہ﴾ ان قوموں کو کتاب اللہ کی حفاظت سونپی گئی تھی اور آخری کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ نے لی۔ ﴿انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون﴾ ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (آثار التنزیل)

قرآن کی عملی حفاظت:

قرآن کی عملی حفاظت کے لیے منجانب اللہ کئی انتظامات ہوئے۔

(۱) حضرت ابوبکرؓ کا تمام دستاویزات کا جمع کرانا۔

(۲) عمر فاروقؓ کا تعلیم قرآن کا پورا اہتمام کرانا اور ہر جگہ قاری اور معلمین کے وفود بھیجنا۔

(۳) حضرت عثمان غنیؓ کا متعدد نقلیں کرا کر سرکاری اہتمام کے ساتھ اطراف بلاد میں بھیجنا۔

(۴) حضرت علیؓ کا معنوی تحریف کرنے والے یعنی خوارج کے ساتھ جہاد کرنا اور اس بات کی بنیاد رکھنا کہ اگر کلمہ پڑھنے والا شخص بھی تحریف معنوی کرے گا تو اس کے ساتھ جہاد کیا جائے۔

(۵) تمام حفاظ کرام کا قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ کرنا، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ حفظ قرآن امت پر فرض کفایہ ہے۔ حفظ القرآن فرض كفاية.

(شامی ص ۶۹ ج ۱)

حفظ قرآن:

حفظ قرآن بھی حفاظت عملی کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔

دنیا میں صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے معانی و مطالب کے ساتھ الفاظ کی تلاوت اور حفظ جاری ہے، جس کی طرف قرآن پاک میں اشارہ موجود ہے۔ ﴿بل هو آيٰت بينٰت في صدور الذين أوتوا العلم﴾ (عنکبوت) یہ واضح آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

حدیث پاک میں حافظ قرآن کے لیے حافظ کے بجائے جامع اور حامل کی تعبیر آئی ہے چوں کہ حافظ تو درحقیقت اللہ کی ذات ہے، حافظ قرآن تو بس اپنے سینوں میں اسے اٹھائے اور جمع کئے ہوئے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد" طوبی لأجواف تحمل هذا" (بیہقی) خوشخبری ہو ان سینوں کے لیے جو اس کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

"اشراف أمتي حملة القرآن" (طبرانی) میری امت کے شرفاء حامل قرآن ہیں۔ حامل القرآن، حامل رأية الإسلام (جامع صغیر)

حافظ قرآن اسلام کا جھنڈا اٹھانے والا ہے" يؤتي بحملة القرآن يوم القيامة فيقول الله أنتم وعاء كلامي أخذتم بما أخذ الأنبياء إلا الوحي" (دیلمی) حاملین قرآن کو قیامت کے دن حاضر کیا جائے گا پھر اللہ فرمائے گا تم میرے کلام کے برتن ہو تم نے وہی خیر حاصل کی جو انبیاء حاصل کرتے تھے سوائے وحی کے۔

" حاملو القرآن هم المحفوفون برحمة الله إذا مات حامل القرآن أوحى الله إلى الأرض ان لا تأكلي لحمه" (قرطبی، کنز العمال ص ۵۵۵) حاملین قرآن ہی اللہ کی رحمت میں گھرے ہوتے ہیں جب حافظ قرآن کی وفات ہوتی ہے تو اللہ زمین کو حکم دیتے ہیں کہ اس کے گوشت کو مت کھانا۔

"اكرموا حملة القرآن فمن اكرمهم فقدا كرمني" (دارقطنی) حافظ قرآن کا اکرام کیا کرو جس نے حافظ کا اکرام کیا اس نے میرا اکرام کیا" من دعا صاحب القرآن الى طعامه وسقاه من شرابه بفضل القرآن اعطاه الله بكل حرف في جوفه عشر حسنات". (دیلمی) جو شخص حافظ قرآن کو کھانے کی یا پانی کی دعوت دے قرآن کی عظمت کے پیش نظر، تو اللہ اسے بھی ہر حرف کے بدلے دس نیکی عطا فرمائیں گے۔" لحامل القرآن دعوة مستجابة". (کنز) حامل قرآن مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے۔ اذا ختم العبد القرآن صلى عند ختمه ستون الف

ملک (کنز) جب بندہ قرآن مکمل کرتا ہے تو ساٹھ ہزار فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں ان لصاحب القرآن عند ختمه دعوة مستجابة وشجرة في الجنة. (جامع صغیر) حافظ قرآن کی ہر ختم کے وقت دعاء قبول ہوتی ہے اور جنت میں درخت لگائے جاتے ہیں۔

قرآن بھولنے پر وعید:

قرآن بھولنے پر بڑی سخت وعید ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عرضت علي أعمال امتي فلم أر ذنبا اعظم من القرآن او آية أوتيها رجل ثم نسيها. (ترمذی ۳۱۱/۲)

میرے اوپر امت کے اعمال پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ پایا کہ کسی کو پورے قرآن یا کسی آیت کی نعمت ملی پھر وہ اسے بھلا دیا ما من أحد تعلم القرآن ثم نسي لقي الله يوم القيامة اجذم (مسلم، ابوداؤد) جو کوئی شخص قرآن سیکھ کر بھول جائے تو قیامت کے دن اللہ اس سے کوڑھی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔

"تعاهد وا القرآن فوالذي نفسي بيده لَهُوَ اشد تفلّتًا من الابل في عقلها" (متفق علیہ) قرآن کا خیال رکھو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ اونٹ کے اپنی رسی سے زیادہ جلد چھوٹ جانے والا ہے۔

"إن عاهد عليها امسكها وان أطلقها ذهبت" اگر خیال رکھے تو رکا رہے اور اگر آزاد چھوڑے تو چلا جائے گا۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۵۲)

حفظ الغلام في الصغر كالنقش في الحجر وحفظ الرجل بعد ما يكبر كالكاتب على الماء. (کنز: ۱ ص ۶۰۴) بچپنے میں حفظ کرنا پتھر کے نقش کی طرح ہے اور بڑے ہونے کے بعد حفظ کرنا پانی پر لکھنے والے کی طرح ہے۔

تحریف معنوی سے ابدی حفاظت:

قرآن چوں کہ لفظ نظم و معنی دونوں کا نام ہے اس لیے لفظ کے ساتھ معنی کی بھی حفاظت ہوگی اس لیے کہ اگر صرف لفظ کی حفاظت کی ذمہ داری ہوتو وہ قرآن ایک بے معنی کلام ہوکر رہ جائے گا۔ قرآن میں تحریف معنوی کی کوشش کرنے والے ہمیشہ رہیں گے لیکن اس سے اصل قرآن ہرگز مشتبہ نہیں ہوگا، اصل اور صحیح معنی کے حاملین ہمیشہ اس امت میں رہیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" **لا یزال طائفة من أمتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خالفهم** "(السنن الکبری للبیہقی) میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب رہنے والی اور حمایت کرنے والی رہے گی، مخالفین ان کو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکیں گے، یاد رکھئے اللہ نے ابدی حفاظت کی ذمہ داری لے لی، لہذا مبانی اور معانی ہمیشہ محفوظ رہیں گے، تحریف کرنے والے تو محرف قرآن ہوجائیں گے لیکن قرآن محرّف نہیں ہوگا۔

تحریف کرنے والے تین چیزوں سے سہارا لیتے ہیں۔

(۱) صحابہ کے تفسیری جملے (۲) آیات منسوخہ (۳) تعدد قرأت۔

جاننا چاہیے کہ تفسیری جملے کے اضافے کا سلسلہ صحابہ کرام ہی سے جاری ہے جس کی تائید و توثیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موجود ہے، اور منسوخ کا جواب یہ ہے کہ ہماری مراد قرآن سے وہ قرآن ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو الوداع کیا، اور تعدد قرأت کوئی تحریف نہیں مرکزی قرأت امت میں ہمیشہ ایک رہی ہے باقی دوسری قرأتیں امت کے لیے تسہیل ہیں نہ کہ تحریف۔(آثار التنزیل)

محاضرہ (۵)

اعجاز القرآن

اعجاز یہ اثبات کی ضد ہے، اثبات کے معنی ہیں کسی کام کو وجود میں لانا اور اعجاز کے معنی ہیں کسی عمل سے عاجز آجانا، علماء نے اعجاز کی تعریف یہ کی ہے، القصور عن العمل، کسی عمل سے کوتاہ رہنا، پیچھے ہٹ جانا، قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ اہل عرب اس کے مقابلے سے عاجز رہے، قرآن نے مرحلہ وار کئی چیلنج پیش کیے، لیکن انہوں نے کسی تحدی اور چیلنج کا جواب نہیں دیا۔

پہلے اللہ نے پورے قرآن کے بارے میں چیلنج کیا ﴿قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یأتوا بمثل هذا القرآن لایأتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا﴾ (بنی اسرائیل)

آپ فرمادیجیے کہ اگر سارے انس وجن اکٹھے ہوجائیں اس قرآن کے مانند لانے پر تو نہیں لاسکتے اگرچہ بعض بعض کے معاون ومددگار ہوجائیں۔

پھر اس سے نیچے اترتے ہوئے دس سورتوں کے متعلق چیلنج کیا ﴿فأتوا بعشر سور مثله مفتریٰت﴾ (ھود) اس جیسی گڑھی ہوئی دس سورتیں ہی لے آؤ۔ وہ اس سے بھی عاجز رہے۔ قرآن نے تیسری مرتبہ ایک اور چیلنج کیا۔ ﴿فأتوا بسورة من مثله﴾ (البقرہ) اس جیسی ایک ہی سورت لاکر بتاؤ۔

اخیر میں سورت سے بھی نیچے اترتے ہوئے اللہ نے ارشاد فرمایا: ﴿فلیأتوا

بحدیث مثلہ﴾ اس کے مانند کوئی بھی کلام پیش کرو۔

یعنی ﴿انا أعطینا﴾ جیسا ہی ایک جملہ اور ٹکڑا پیش کرو، لیکن وہ بھی پیش نہ کر سکے۔ ﴿انا أعطینا﴾ میں دس حروف ہیں اور پورے قرآن میں ستتر ہزار حروف ہیں۔ اگر ستتر ہزار کو دس پر تقسیم کیا جائے ستتر سو کلمے بنتے ہیں جب وہ ﴿انا أعطینا﴾ کے مانند کلام پیش نہیں کر سکتے تو گویا قرآن ایک ایسا منفرد اور معجز کلام ہے جو ایک ساتھ ستتر سو معجزات پر مشتمل ہے۔ (تبیان) لیکن اس پر چند سوالات ہیں:

(۱) ممکن ہے کہ مشرکین نے اس چیلنج پر توجہ نہ دی ہو۔

جواب: اتنی بڑی تحریک جس میں ان کی عزت کا سوال ہو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس پر توجہ نہ دیں۔

(۲) ممکن ہے اس وقت مادی اسباب نہ ہوں۔

جواب: یہ علمی میدان میں آنے کی دعوت تھی نہ کہ تجارتی منڈی میں آنے کی جس کے لیے وسائل کی ضرورت ہو۔

(۳) ممکن ہے انہوں نے کوئی مجموعہ تیار کیا ہو، لیکن ہم تک نہ پہونچا ہو۔

جواب: غالب قوم غلبہ کے لیے ہر تدبیر اختیار کرتی ہے۔

قرآن کریم کے اعجاز کے وجوہات:

اعجاز کے وجوہات کے سلسلے میں مختلف نظریات ہیں۔

روافض شیعوں کا کہنا ہے کہ اس کے اعجاز کا سبب صرفہ ہے، صرفہ کا مطلب وہ یہ قرار دیتے ہیں کہ اللہ نے ان کی قدرت چھین لی اس لیے وہ اس کے مانند کلام پیش نہیں کر سکے۔ لیکن اہل حق اس نظریہ کو باطل قرار دیتے ہیں اور قرآن سے بھی اس نظریے کی تردید ہوتی ہے۔

چونکہ اللہ نے چیلنج کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ولو کان بعضهم لبعض ظهيرًا﴾ اگر چہ بعض بعض کے معاون ہو جائیں، اگر طاقت سلب کر لی گئی ہوتی تو مدد کی دعوت نہ دی جاتی، نیز وہ دوسرے ادیبانہ فصیحانہ اشعار اور کلام بھی نہ تیار کر پاتے۔(التبیان)

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اپنے ترکیب کلمات، اسلوب، خلوص مقاصد، جامعیت مضامین، ربط آیات، حقائق، انتہاء بلاغت، اخبار بالمغیبات، اثرات اور عدیم النظیر ہونے میں معجز ہے کہ تمام بلغاء قحطانی وعدنانی اس کا مثل لانے سے قاصر رہے چوں کہ یہ کلام خالق ہے"لا یشبهه کلام البشر" انسانی کلام اس کے مشابہ نہیں ہو سکتا ہے۔

دنیا میں جو امور پیش آتے ہیں وہ تین طرح کے ہوتے ہیں: (۱) وقائع عادیہ (۲) صنائع عجیبہ (۳) قدرت الہیہ۔

وقائع عادیه: تو وہ ہیں جو مادی اسباب کے ماتحت ہوں جیسے آگ سے جلنا وغیرہ۔

صنائع عجیبه :وہ ہیں جن میں مادی اسباب کا بہت لطیف اور باریک تعلق ہو جیسے ہوائی جہاز کا ہوا میں اڑنا۔

قدرت الٰهیه: وہ ہے جس کا مادی اسباب سے کوئی تعلق نہ ہو جیسے تخت سلیمانی کا ہوا میں اڑنا اور دنیا کی پہلی عورت حضرت حوا کا آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہونا، قدرتی مشنری اور انسانی مشنری میں یہی فرق ہے، کہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔

اسی طرح استدراج میں انسان کے کسب اور محنت کا دخل ہوتا ہے معجزہ میں پیغمبر کے کسب و عمل کا بالکل دخل نہیں ہوتا۔ جادو اور معجزہ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ جادو میں صرف صورت بدلتی ہے اور معجزہ میں حقیقت بدل جاتی ہے، جادوگروں کی لاٹھیاں رسیاں صورتاً اژدہا بنی تھیں، لیکن موسیٰ کا عصا حقیقتاً سانپ بنا تھا جو تمام کو نگل گیا، پس جس طرح

خدائی کام اور بندوں کے کام میں فرق ہوتا ہے اسی طرح خدائی کلام اور بندوں کے کلام میں فرق ہے۔(آثار التنزیل)

اعجاز لغوی: قرآن کریم اپنی لغت اور مفردات کے اعتبار سے بھی معجز ہے، یعنی قرآن نے جس موقع پر جو لغت اور مفردات استعمال کیا ہے اہل عرب ایسی لغت اور مفردات سے عاجز تھے۔

مثال(۱) موت کے لیے ان کے پاس تقریباً ۲۴؍الفاظ تھے: فنا، موت، حتف، منون، خنق وغیرہ لیکن ان تمام الفاظ سے بالکلیہ فناء ہوجانے کا باطل نظریہ جھلکتا تھا۔

قرآن نے ایک نیا لفظ ''توفی'' استعمال کیا یعنی موت عمر موعود کے پورا ہونے اور جسم سے بالکلیہ روح نکال کر دوسرے عالم کی طرف منتقل کردینے کا نام ہے تو موت بالکلیہ فنا ہونے کا نام نہیں، نہ روح فنا ہوتی ہے، بل کہ اس کو علیین یا سجین میں رکھ دیا جاتا ہے نہ جسم بالکلیہ فنا ہوتا ہے، بل کہ اللہ نے انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کے نیچے ایک گول دانہ بنایا ہے۔ پورا جسم سڑ گل جاتا ہے لیکن اس دانے کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اسی پر پورا ڈھانچہ قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا۔

مثال(۲) پکی اینٹوں کے لیے اہل عرب آجر، قرمد اور طوب استعمال کرتے تھے، لیکن یہ تینوں الفاظ عامی مبتذل اور گھٹیا تھے۔ قرآن نے اس کے لیے نئی تعبیر اختیار کی ﴿فأوقدلي ياهامان على الطين﴾ اے ہامان میرے لیے پکی اینٹیں تیار کرو۔

مثال(۳) ارض کی جمع آراض اور ارضون آتی ہے لیکن یہ دونوں جمع حد درجہ خلاف قیاس ہیں، اہل عرب اس کی جمع استعمال کرنا پسند نہیں کرتے لیکن قرآن میں جب اس کے استعمال کی ضرورت پڑی تو ایک نئی تعبیر اختیار کی ﴿ الله الذي خلق سبع

سموات ومن الارض مثلهن﴾(الطلاق)اللہ نے سات آسمان پیدا کیے اور اسی کے مانند سات زمین بھی۔

مثـــال(٤) قرآن میں کہیں کوئی غریب لفظ مستعمل نہیں، کیوں کہ اس سے کراہت فی السمع پیدا ہوتی ہے کلام کا حسن ختم ہوجاتا ہے لیکن ایک مقام پر ایک غریب لفظ کو اتنے اچھے انداز میں استعمال کیا کہ غرابت اور کراہت کے بجائے حسن پیدا ہوگیا ﴿تلک إذا قسمة ضیزیٰ ﴾اس جگہ ضیزیٰ کے بجائے اس کے ہم معنی جائرۃ یا ظالمة لفظ استعمال کیا جائے تو وہ حسن نہیں پیدا ہوسکتا تھا جو ضیزی میں ہے۔

اعـجاز ترکیبی: قرآن نے بہت سے مفہوم کو بیان کرنے کے لیے عدیم النظیر تعبیر اختیار کی، مثلاً مرد وعورت (میاں بیوی) کے اپنے تعلقات ہوتے ہیں ایک باحیاء آدمی اس کو بیان کرتے ہوئے شرماتا ہے اور اسے نزیہہ الفاظ اور تعبیرات نہیں ملتے، لیکن قرآن نے ایک جملے میں سارے تعلقات کو بڑے اچھے انداز میں لی ﴿ھن لبـاس لکم وأنتم لباس لھن ﴾(البقرہ) وہ تمہارے لیے لباس ہیں، تم ان کے لیے لباس ہو۔

ایک دوسری جگہ بیوی کے تعلقات کو بڑے اچھے انداز میں بیان فرمایا: ﴿ فاتوا حرثکم أنی شئتم﴾ تم اپنی کھیتی (بیوی) کے پاس آؤ جیسے چاہو۔

اہل عرب کے پاس قصاص کی افادیت بیان کرنے کے لیے کئی طرح کے الفاظ کہتے تھے، مثلاً وہ کہتے 'القتل انفیٰ للقتل، اکثروا القتل لیقل القتل، القتل احیاء للجمیع" ان تمام تعبیروں میں تکرار کے علاوہ قتل جیسا مکروہ لفظ استعمال کیا گیا قرآن نے اس مفہوم کو بغیر تکرار اور بغیر لفظ قتل کی تعبیر کے ذکر کرتے ہوئے فرمایا ﴿ولکم في القصاص حیوۃ﴾(البقرہ) تمہارے لیے قصاص میں بڑی زندگی ہے۔

محاضرہ (٦)

اعجاز أسلوبی

اسلوب کی تین قسمیں ہیں:(۱)اسلوب علمی(۲)اسلوب ادبی(۳)اسلوب خطابی

بہت سارے حضرات صرف اسلوب علمی پر قادر ہوتے ہیں،لیکن اسلوب خطابی اور ادبی سے دور ہوتے ہیں، اور بہت سارے اسلوب خطابی پر قادر ہوتے ہیں لیکن اسلوب ادبی وعلمی سے محروم ہوتے ہیں، ایک شخص ایک وقت میں تینوں اسلوبوں پر قادر نہیں ہوتا۔لیکن قرآن کریم میں یہ تینوں اسلوب ایک ساتھ ملتے ہیں۔

اسلوب خطابی کی سادگی، اسلوب ادبی کی چاشنی اور اسلوب علمی کے اسرار ونکات، سبھی ایک ساتھ موجود ہیں،قرآن سادہ اور عام فہم بھی ہے اس کی تلاوت کرنے والا لذت اور چاشنی بھی محسوس کرتا ہے، اشعار میں جو لذت ہوتی ہے، اس سے کہیں زیادہ اس نثر والے کلام میں لذت ہے۔

لبید جیسا شاعر اسلام قبول کرنے کے بعد شاعری چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ نے اس کے بدلے مجھے اس سے زیادہ لذیذ چیز یعنی قرآن پاک عطا کر دیا۔اسی سادہ عام فہم اسلوب میں اہل علم کو بہت سے اسرار ورموز بھی مل جاتے ہیں۔(التبیان)

مثال(۱) قرآن کی ایک آیت میں اللہ نے والد کے لیے مولود لہ کا لفظ استعمال کیا ہے﴿وعلی المولود له رزقهن و کسوتهن﴾ (البقرہ) باپ پر ان بیویوں کا نفقہ اور کسوہ ہے۔مولود لہ اس سادے لفظ سے فقہائے کرام نے بہت سے مسائل

مستنبط کر لیے ہیں۔ مثلاً باپ کو اللہ نے مولود لہ کہا یعنی جس کے لیے بچہ جنا گیا۔

معلوم ہوا کہ نسب میں اصل باپ ہوتا ہے، اسی طرح بچہ اصل باپ کا ہے اور اللہ نے لہ میں لام اختصاص اور لام تملیک استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ بچہ باپ کا مملوک ہے، جس کا اثر یہ ظاہر ہوگا کہ باپ بوقت ضرورت اپنے بیٹے کے مال کو استعمال کر سکتا ہے۔

مثال(۲) ﴿إذا أذقنا الناس رحمة فرحوا بها وإن تصبهم سيئة بما قدمت ايديهم إذا هم يقنطون﴾ (روم) اگر ہم انسانوں کو کسی عنایت کا مزہ چکھائیں تو وہ اترانے لگتے ہیں اور اگر ان کے اپنے ہی کرتوتوں کے سبب کوئی تکلیف ان کو پہونچے تو اچانک ناامید ہو جاتے ہیں۔

رحمت وعنایت کے تذکرہ میں اذا کا استعمال ہوا جو اپنے مدخول کے کثیر الوقوع اور یقینی ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور سیئہ کے ساتھ إن کا استعمال کیا جو قلیل اور غیر یقینی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بندے کو اللہ کی جانب سے عنایتیں زیادہ ملتی ہیں اور مصیبتیں کم، اسی طرح دنیوی رحمت کے لیے "أذقنا" چکھنے کا لفظ استعمال فرمایا، کہ دنیوی نعمتیں اخروی نعمتوں کے مقابل میں چکھنے کی طرح ہیں۔

برائی اور تکلیف میں بما قدمت ايديهم کا اضافہ کیا، معلوم ہوا کہ مصیبتوں میں اپنے اعمال کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ نعمتیں تو سراسر اللہ ہی کا فضل ہیں، نیز رحمت کی نسبت اپنی طرف کی اور اذقنا استعمال کیا، اور سیئہ کی نسبت اپنی طرف نہیں کی، اس سے ایک ادب سکھا دیا کہ شر کی نسبت اللہ کی طرف صحیح نہیں ہے۔

قرآن کریم کے اسلوب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے شروع کلام میں جو لذت وبلاغت ہوتی ہے، وہ اخیر کلام میں بھی پائی جاتی ہے، جب کہ انسانی کلام میں شروع میں

بلاغت ہوتی ہے لیکن اخیر کلام میں کم ہوتی چلی جاتی ہے یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔

نیز قرآن نے خشک مضامین میں بھی لذت کو بھر دیا، مثلاً علم فرائض (وراثت) نہایت خشک موضوع ہے، کہ اچھے اچھے ادباء بھی اس میں لذت پیدا نہیں کر سکتے، لیکن قرآن نے اس مضمون کو چوتھے پارے میں نہایت ہی لذیذ اور شیریں اسلوب میں ذکر کیا ہے۔

(التبیان)

قرآن کریم ہر مضمون کو بلیغ اور لذیذ انداز میں بیان کرتا ہے:

عرب میں ایسا کوئی شاعر نہیں تھا جو ہر مضمون پر اشعار کہہ سکے ہر ایک کو کسی ایک خاص موضوع سے مناسبت تھی۔ مثلاً امرؤالقیس نسب اور غزل کا ماہر سمجھا جاتا تھا، نابغہ ذبیانی جنگ اور مواقع حیرت کا ماہر سمجھا جاتا تھا، زہیر امید اور طلب والے اشعار اچھے انداز میں کہنے پر قادر تھا، اعشیٰ حسن طلب کا ماہر تھا۔ لیکن قرآن ہر مضمون کو بلیغ اور لذیذ انداز میں بیان کرتا ہے۔ (علوم القرآن تقی)

قرآن کریم کا ایک انوکھا اسلوب جمع بین الحق والجمال ہے کہ دنیا کے خوبصورت مناظر کو ذکر کرتے کرتے عقیدۂ حقہ کو بڑے نرالے اسلوب میں ذکر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ونزلنا من السماء ماء مبٰرکا فانبتنا به جنّٰت وحب الحصید والنخل بٰسقٰت لها طلع نضید رزقا للعباد واحیینا به بلدة میتا کذلک الخروج﴾ (ق)

ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر اس سے باغات، کھیتی کے غلے، اور کھجور کے گھنے درخت اگائے جن میں تہ بہ تہ خوشے ہیں بندوں کے رزق کے لیے پھر ہم نے اس کے ذریعے خشک قطعہ زمین کو زندہ کیا اسی طرح قبروں سے نکلنا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ نے بڑے اچھے انداز میں بعث بعد الموت کے عقیدے کو ذکر فرمایا اس

اسلوب کو خطاب للعقل والقلب بھی کہا جاتا ہے کہ عقل کو خطاب کرتے کرتے قلب کو خطاب کرتا اور جھنجھوڑتا ہے۔(التبیان)

اثرات میں وجہ اعجاز: قرآن کریم ایسے ماحول میں نازل ہوا جہاں کوئی تمدن نہیں تھا لوگ روحانی سکتے میں تھے لیکن قرآن نے چند ایام میں محیر العقول انقلاب برپا کر دیا۔ ہر ایک کے دل کو اس کے ظرف کے مطابق بدل دیا۔

صدیوں کے بھٹکے ہوئے خدا کی راہ پر چل پڑے۔ بت پرست بت شکن ہو گئے حمیت و وحشت کی جگہ صبر و تحمل نے لے لی، بربریت کی جگہ فکر و تدبر آیا۔ ڈاکٹر ماریس لکھتا ہے، قرآن نے دنیا پر وہ اثر ڈالا جس سے بہتر ممکن نہیں۔

عدیم النظیر تحفظ میں شان اعجاز: اگر کوئی کتاب اتنی ضخامت کے باوجود ابتداء ظہور سے آج تک ایک جم غفیر کے سینوں میں ہے تو وہ قرآن ہے۔(آثار التنزیل)

قانونی اعجاز: فرد کا بنایا ہوا ہو یا جماعت کا بنانے والے کتنے ہی ماہر کیوں نہ ہوں مختلف ممالک اور مختلف اقوام میں وہ قانون لمبے عرصے تک نہیں چل سکتا، اس میں ضرور خامی ظاہر ہو جاتی ہے لیکن قرآن کا قانون جو زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے اس کا قانون صرف عرب میں نہیں، بل کہ پورے ایشیا یورپ اور افریقہ کے تینوں بر اعظم میں آج تک عمل درآمد ہے۔

لسانی اعجاز: ہر کتاب کی ایک زبان ہوتی ہے سو سال کے بعد زبان بدل جاتی ہے اس لئے سو سال پہلے کے الفاظ متروک ہو جاتے ہیں شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمۂ قرآن بے مثال ہے لیکن دراز گئی زمان کی وجہ سے بہت سے الفاظ متروک ہو گئے ہیں لیکن

اس کے برخلاف چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود قرآن کی عربیت پر کچھ فرق نہیں آیا۔

سیاسی اعجاز: قرآن عرب میں نازل ہوا جو تمام اقوام سے کمزور، بے علم اور بے ہنر تھے سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے اسباب موجود نہ تھے، نزول قرآن کے وقت عرب سعودی اور یمن کا نام تھا مختصر رقبہ تھا، اسلام کے بعد عراق شام فلسطین اردن لبنان بیروت مصر شمالی افریقہ یہ سب غیر عرب ممالک تھے لیکن اسلامی فتوحات کے بعد عرب ممالک بن گئے۔

سیاسی اقتدار کے لیے علم ضروری ہے اور یہ عرب ناخواندہ تھے اسی طرح سیاست کے لیے وحدت واتفاق چاہیے عرب کا ہر قبیلہ ایک دوسرے کا دشمن تھا قرآنی اعجاز نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔ (علوم القرآن افغانی)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اعجاز کی بحث میں فرماتے ہیں کہ قرآن کے وجوہ اعجاز پانچ ہیں:

(۱) **الاسلوب البدیع** : یعنی قرآن کا انوکھا اور نرالا اسلوب۔

(۲) **الاخبار عن القصص الماضیہ و احکام الملل السابقہ** : یعنی گذشتہ قصوں اور گذشتہ مذاہب کے احکام کے متعلق خبر دینا۔

(۳) **الاخبار بالاحوال الآتیہ:** آنے والے احوال کے متعلق پیشین گوئی کرنا۔

(٤) **الدرجۃ العلیا من البلاغۃ** : بلاغت کا اونچا درجہ۔

(۵) **وجوہ للمتدبرین فی اسرار الشرائع:** سوچنے والوں کے لے بہت سے شرعی اسرار ورموز۔

محاضرہ (۷)

قرآن کریم سے متعلق مخالفین کے شبہات

قرآن کریم پر مستشرقین اور دشمنان اسلام کی طرف سے کئی اعتراضات اور شبہات کیے جاتے ہیں جن کا مفصل ذکر یہاں کیا جارہا ہے۔

شبہ (۱) قرآن کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف ہے۔

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام (حدیث پاک) اس سے بلاغت و فصاحت میں بہت کمتر ہے جس کے بارے میں کوئی تحدی نہیں جب کہ قرآن پاک کے بارے میں تحدی (چیلنج) موجود ہے، نیز اگر قرآن پاک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بجائے نبوت کے الوہیت کا دعویٰ کرتے، نیز ادباء فصحاء اس جیسا کلام تیار کرتے، اگر قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف ہوتی تو واقعہ افک میں عائشہؓ کی براءت میں ایک مہینہ انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی، تحویل قبلہ میں ۱۶/ مہینے انتظار نہ کرنا پڑتا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھڑا ہوا ہوتا تو اللہ کے عتاب اور ناراضگی کا سوال پیدا نہ ہوتا، عفا اللّٰہ عنک لم اذنت لھم (براۃ) کیوں کہا جاتا، عبس وتولی کیوں نازل ہوتی۔

شبہ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصرانی راہب بحیرا سے سیکھا، یا جبر رومی غلام سے سیکھا، یا ورقہ بن نوفل سے۔

جواب: بحیرا راہب سے صرف ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ثابت

ہے (جب کہ عمر مبارک ۱۲ سال تھی) اگر وہ ایسا ہی با کمال تھا کہ ایک ملاقات میں ایسا کلام سکھادے تو مومی آخر الزماں اسے ہونا چاہیے۔ رہی بات رومی غلام وہ تو عجمی تھا اور قرآن کی زبان واضح عربی۔ اور ورقہ بن نوفل کی جہاں تک بات ہے ان سے بھی بڑی مختصر ملاقات رہی، اور ابتداء بعثت میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

شبہ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر، مجنون اور کاہن تھے۔

جواب: اس کا مفصل رد قرآن میں موجود ہے پھر شاعر کاہن مجنون سے ایسے عجیب کلام کا تصور نہیں کیا جا سکتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔

شبہ (٤) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عقلی استنباط سے قرآن تیار کیا۔

جواب: عقلی استنباط سے ایسے اخبار غیبیہ، قصص، اقوام کے حالات، اخبار لاحقہ اور اخبار متقدمہ (پیشین گوئیاں) تیار نہیں کی جا سکتیں۔

شبہ (٥) بعض آیتیں صحابہ کرام کے کلام سے تعلق رکھتی، ہیں مثلاً **وما محمد إلا رسول** کہ جب موقعہ وفات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تلاوت کی گئی تو بعض صحابہ کو ایسا لگا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی، اسی طرح ﴿**واتخذوا من مقام ابرٰهم مصلّى**﴾ (البقرہ) یہ حضرت عمرؓ کے کلام میں سے ہے۔

جواب: پہلی آیت کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کے درمیان اس کا آیت قرآنی ہونا بالکل مشہور تھا، یہ آیت غزوہ احد کے وقت نازل ہوئی تھی جب کہ بعض صحابہ شہادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر سست پڑ گئے اور میدان چھوڑ کر چلے گئے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی، البتہ وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غم ایسا شدید تھا کہ اس آیت کے سلسلے میں صحابہ کو ذہول ہو گیا۔

دوسری آیت کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں خواہش ظاہر کی لو اتخذنا مقام ابرٰہم مصلّٰی تو اللہ نے صیغۂ امر کے ساتھ ﴿واتخذوا من مقام ابرٰہم مصلّٰی﴾ نازل فرمایا، کلام عمرؓ اور کلام باری تعالیٰ میں بڑا واضح فرق ہے ایک میں تمنا ہے دوسرے میں امر ہے۔

شبہ (٦) خلفائے ثلاثہ نے قرآن میں کچھ اپنی جانب سے تحریف کی اور بہت سی آیتوں کو حذف کر دیا، یہ شبہ غالی شیعوں کی طرف سے کیا جاتا ہے ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں سترہ ہزار آیتیں تھیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں ایک سورت الولایہ تھی جو مکمل حذف کر دی گئی ہے، اسی طرح بعض کلمات اور جملے حذف کر دیے گئے ہیں مثلاً ﴿لاتحزن إن الله﴾ (البراءة) سے پہلے ویلک تھا ﴿وقفوهم إنهم مسئولون﴾ کے بعد عن ولاية علي، (وكفى الله المومنين) کے بعد بعلي بن طالب تھا۔

جواب: یہ سراسر بہتان اور الزام تھا شیعوں کے مفسر علامہ طبرسی نے ''مجمع البیان'' میں خود ان چیزوں کی تردید کی ہے نیز حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن کو حضرت علیؓ اور تمام صحابہؓ نے تسلیم کیا اور یہ کہا ''هو كلام الله من غير زيادة ولا نقصان ولا تغيير ولاتبديل '' اور اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ خلفائے ثلاثہ نے تبدیلی کی تو حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اسے صحیح کیوں نہیں کرایا؟۔

شبہ (٧) بعض صحابہ کے مصحف میں کچھ زائد الفاظ و کلمات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً، ابن مسعود اور ابی بن کعبؓ کی قراءت میں متتابعات کا لفظ موجود ہے۔

جواب: قرآن تواتراً منقول ہے، اور یہ الفاظ کی زیادتی خبر واحد کے طور پر ہے، اس لیے اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کے مصاحف میں

اس طرح کے الفاظ بطور تفسیر کے شامل ہیں۔

شبہ (۸) بعض آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً ساقط کر دیں یا بھول گئے۔ جیسے، ایک شخص سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آیت سنی تو فرمایا: اللہ اس پر رحم فرمائے، اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلائی۔

جواب؛ یہ روایت صحیح نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نسیان سے غفلت مراد ہے جو بشری تقاضے سے لاحق ہوگئی، عمداً چھوڑ دینا، یا اس آیت کی ترک تبلیغ مراد نہیں ہے۔

کتابت قرآن سے متعلق شبہات:

شبہ (۹) حضرت عثمان غنیؓ پر جب مرتب مصحف پیش کیا گیا تو آپ نے اس میں غلطیاں اور کمیاں پائیں تو فرمایا: **لا تغیروها فان العرب ستعربها بالسنتهم۔**

جواب؛ یہ روایت صحیح نہیں۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے فرمایا: **إن ذلک لم یصح من عثمان اصلاً۔** دوسرا جواب یہ ہے کہ لحن اور غلطی سے مراد نقطے اور اعراب کا نہ ہونا ہے جس کا بعد میں اضافہ کیا گیا۔

شبہ (۱۰) ابن عباسؓ نے ایک مرتبہ تلاوت کی: ﴿**افلم یتبیّن الذین آمنوا أن لو یشاء الله لهدی الناس جمیعًا**﴾ تو ایک سامع نے کہا: ایسا نہیں۔ بل کہ ﴿**افلم یایئس الذین آمنوا**﴾ (الرعد) ہے۔ تو ابن عباسؓ نے فرمایا: شاید کاتب نے سوتے ہوئے لکھا ہے۔ اسی طرح ﴿**وقضٰی ربک**﴾ کے بارے میں منقول ہے۔ فرمایا: **ووصیٰ بها** ابوحیان نے فرمایا **هذا قول ملحد زندیق۔**

ابن الانباریؒ نے فرمایا: اس طرح کی ساری روایتیں ضعیف ہیں۔ اور علامہ زرقانی نے فرمایا: اس طرح کی باتیں ابن عباسؓ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔

قرآن کے متواتر ہونے کے متعلق چند شبہات:

شبہ(۱۱) قرآن کیسے متواتر ہے؟ جب کہ بسم اللہ کو متواتر نہیں شمار کیا گیا، نہ اس کے بارے میں تحدی کی گئی۔ نیز ابن مسعودؓ نے مصحف عثمانی سے اختلاف کیا اور اپنے مصحف پر جمے رہے۔ تو تواتر کا دعویٰ صحیح نہیں۔

جواب؛ جو بسم اللہ ابتداء قرآن میں مکتوب ہے اس کے جزء قرآن ہونے میں ہی اختلاف ہے۔ اس لیے اس کے ذریعے اشکال نہیں ہوسکتا۔ تحدی کا بھی سوال نہیں ہوتا۔ ہاں اگر جزء قرآن مانا جائے تو تحدی کے لیے بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ کم از کم تین آیات سے تحدی ہوگی۔

جہاں تک حضرت ابن مسعودؓ کی بات ہے اگر سارے صحابہ متفق ہوں تو حضرت ابن مسعودؓ کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور اس لیے بھی کہ وہ اخیر میں آمادہ ہوگئے تھے اور اپنے مصحفوں کو جلادیا تھا۔

سبعۃ احرف کے متعلق شبہات:

شبہ(۱۲) انزل القرآن علیٰ سبعة احرف ۔قرآن سات طریقوں پر نازل کیا گیا، یہ حدیث قرآن میں اختلاف کی طرف اشارہ کرتی ہے جب کہ قرآن میں اختلاف کی نفی کی گئی ﴿ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیه اختلافا کثیرًا﴾ اگر یہ قرآن غیر اللہ کی جانب سے ہوتا تو کثیر اختلاف پاتے۔

جواب؛ یہ ہے کہ حدیث اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں حدیث میں اختلاف سے مراد قرات، اسلوب، لغات وغیرہ کا اختلاف اور قرآن کے اختلاف سے مراد تناقض اور تعارض ہے۔ یعنی قرآن کریم میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں ہے۔

قرأت سبعہ اور حروف سبعہ میں فرق:

حروف سبعہ منزل من اللہ ہیں متواتر امنقول ہیں، ایک معنی کو مختلف الفاظ میں تعبیر کرنے کا وہ ایک طریقہ ہے۔ اور قرأت سبعہ سنت سے ثابت نہیں، لفظ کی ادائیگی اور اس کے نطق میں اختلاف کا نام ہے اور یہ ائمہ قرأت کا مذہب ہے۔ نیز حروف سبعہ میں حصر ہے جس پر زیادتی نہیں ہوسکتی اور قرأت سبعہ میں زیادتی ہوسکتی ہے۔

ترجمہ قرآن کے متعلق شبہات:

شبہ(۱۳) عربیت کے علاوہ کسی اور زبان کی طرف اس کو منتقل کرنا جائز نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ یہ قرآن کی تحریف لفظی ہے۔

جواب؛ یہ ہے کہ قرآن صرف عرب کے لئے نہیں بل کہ پورے عالم اور سارے جن وانس کی ہدایت کے لیے آیا ہے، اور یہ ضرورت ترجمہ کے بغیر پوری نہ ہوگی، حضرت سلمان فارسیؓ کے عمل سے ترجمہ کی اجازت ملتی ہے انہوں نے اہل فارس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے بسملہ اور سورہ فاتحہ کا ترجمہ بھیجا تھا۔

شبہ(۱٤) قرآن کے مثل نہ پیش کرسکنا اس کے معجز ہونے کی دلیل نہیں، اس لئے کہ انسانوں میں بھی بعضوں کو وہ صنعت بیانی اور اسلوب حاصل ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا۔

جواب؛ یہ ہے کہ قرآن کا چیلنج صرف اسلوب کے متعلق نہیں بل کہ مفردات مرکبات، اخبار غیبیہ اخبار سابقہ، اخبار متقدمہ، ساری چیزوں کے متعلق ہے۔

شبہ(۱۵) حدیث کے مانند بھی لوگ پیش نہیں کرسکتے۔

جواب؛ پیش کرسکتے ہیں اسی لیے حدیث کے بارے میں کوئی تحدی نہیں، نیز

حدیث میں موضوعات بہت سے لوگوں نے شامل کردی ہیں۔

قرآنی اعجاز سے متعلق شبہات:

شبہ (۱۶) عرب کے فصحاء وبلغاء قرآن کے مانند اس لیے نہیں لاسکے کہ اللہ نے ان کی طاقت سلب کرلی اس کو صرفہ کہا جاتا ہے یہی شیعوں کا عقیدہ ہے۔

جواب؛ ہرگز ایسا نہیں ہے اگر ان کی طاقت سلب کرلی گئی ہوتی تو وہ فصیح وبلیغ گفتگو، اشعار اور قصیدہ بھی نہ کہہ پاتے، حالاں کہ یہ سب چیزیں ان سے صادر ہورہی تھیں۔

شبہ (۱۷) قرآن چوں کہ کہانت اور سحر کے قبیل سے ہے اس لیے اس کے مانند نہیں لاسکے، لہذا اس کو معجز نہیں کہا جائے گا۔

جواب؛ مکہ کے مشرکین کا سب سے بڑا ساحر سب سے بڑا معاند ولید بن مغیرہ شعر وکہانت کی نفی کرتا ہے، اور ایک وقت یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے **ما هو من كلام الانس ولا من كلام الجن والله انه لحلاوة وان عليه لطلاوة وان اعلاه لمثمر وانه ليعلو وما يعلى عليه** .(شبهات حول القرآن الكريم)

محاضرہ (۸)

قرآن کی تعریف اور اس کے اسماء

قرآن کے بہت سے نام ہیں لیکن ذاتی نام پانچ ہیں:

(۱) **قرآن**: اللہ تعالیٰ نے اس نام سے مختلف مقامات پر تذکرہ کیا، ایک جگہ ارشاد ہے ﴿إنا أنزلنٰه قرءٰنًا عربيا لعلكم تعقلون﴾ (یوسف) ہم نے اس کو عربی قرآن کی صورت میں نازل کیا تا کہ (اے اہل عرب) تم اسکو سمجھو (اور تمہارے واسطے سے دوسرے لوگ سمجھیں) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿إنه لقرآن كريم﴾ یقیناً یہ معظم قرآن ہے۔

(۲) **فرقان**: اس نام سے بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر تذکرہ کیا ارشاد باری ہے ﴿تبٰرك الذى نزل الفرقان﴾ عالی شان ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب) نازل کیا، یا اس لیے فرقان ہے، کہ یہ پہلی آسمانی کتاب ہے جو تدریجاً الگ الگ مختلف مواقع اور زمانہ میں نازل ہوئی۔

(۳) **ذکر**: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿إنا نحن نزلنا الذكر﴾ ہم نے اس نصیحت نامہ کو اتارا۔ یہ قرآن سراپا نصیحت وعبرت ہے۔ جس سے نصیحت پکڑنا بھی آسان اور یاد کرنا بھی آسان۔ اسی طرح یہ کتاب اللہ کی یاد دہانی کے لیے بھی ہے، اس کتاب کو تدبر کے ساتھ پڑھنے والا اللہ کے فضل وشوکت کو یاد کرتا ہے اور پھر اس میں

خشیت وانابت پیدا ہوتی ہے۔

(٤)**تنزیل**: اللہ کا ارشاد ہے﴿تنزیل العزیز الرحیم﴾ یہ کتاب زبردست مہربان ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے﴿تنزیل من حکیم حمید﴾ حکیم حمید لائق تعریف ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

یوں تو ہر آسمانی کتاب اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہے مگر قرآن کریم کے نزول کی کئی خصوصیات ہیں۔اس کے تین نزول ہیں:

(۱)ذات باری تعالیٰ سے لوح محفوظ میں۔

(۲)لوح محفوظ سے بیت العزت (بیت المعمور) میں۔

(۳)بیت العزت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر،اس کو تنزیلات ثلاثہ کہا جاتا ہے۔

اس کے نزول کی ایک خصوصیت یہ بھی کہ ہے کہ تمام آسمانی کتابیں یکبارگی نازل کی گئیں لیکن قرآن کو تدریجاً تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت نازل کیا گیا، تاکہ حفظ بھی آسان ہو اور عمل بھی آسان ہو۔نزول قرآن کے ساتھ عمل نبی اور عمل امت بھی جڑا ہوا ہے،خصوصیت کسی آسمانی کتاب کو حاصل نہیں اور یہ خصوصیت تدریجی نزول سے حاصل ہوئی اس لیے اس کا نام تنزیل رکھا گیا۔

(۵)**کتاب**: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿وانہ لکتٰب عزیز﴾ یقیناً یہ ایک باوقعت کتاب ہے دوسری جگہ ارشاد ہے:﴿الحمد للہ الذي أنزل علی عبدہ الکتٰب و لم یجعل لہ عوجا﴾ (کہف) تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے بندہ خاص پر کتاب نازل کی جس میں کوئی کجی نہیں۔

اس کو کتاب کہنے کی ایک بڑی حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کے باوجود اس کتاب کی تلاوت، قرأت، کتابت اور لکھنے لکھانے کا بھی خوب اہتمام فرمایا کہ جب بھی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبان وحی میں سے کسی کو بلا کر لکھوا لیتے، اس لیے کہ نزول سے پہلے تقدیر کے لکھے جاتے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو لوح محفوظ میں لکھ کر ثبت کر دیا تھا اسے کوئی ضائع نہیں کر سکتا جہاں پاک فرشتوں کے سوا کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

ان پانچ ناموں کے علاوہ باقی تمام نام صفاتی ہیں مثلا موعظت، ہدایت، رحمت، شفاء، صفاتی ناموں کی تعداد ۵۰ سے متجاوز ہے۔(علوم القرآن تقی)

لفظ قرآن کی تحقیق اور وجہ تسمیہ:

قرآن کے ذاتی ناموں میں سے سب سے زیادہ مشہور قرآن ہے اس لیے اس کی تحقیق اور اس سلسلے میں ائمہ کے اختلافات ذکر کئے جا رہے ہیں۔

لفظ قرآن کا پہلا اختلاف یہ ہے کہ یہ مشتق ہے یا جامد، امام شافعیؒ اور بعض حضرات اس کو دوسری آسمانی کتابوں کی طرح جامد مانتے ہیں، جیسے توریت، انجیل، یہ سب اسمائے جامدہ ہیں اس لیے قرآن بھی اسم جامد ہے۔

لیکن جمہور علماء اشتقاق کے قائل ہیں۔ پھر اشتقاق کے قائلین میں بھی اختلاف ہے، کہ یہ مہموز ہے یا غیر مہموز۔ علامہ طیبیؒ، فراء نحوی، اشعریؒ وغیرہ مہموز مانتے ہیں کہ اور دلیل یہ ہے کہ یہ قرن یقرن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ملنا، متصل ہونا۔ چوں کہ قرآن کی آیتیں، سورتیں اور مضامین باہم مربوط ہیں اس لیے اس کو قرآن کہا جاتا ہے زجاج نحویؒ مہموز مانتے ہیں یہ قرأ یقرأ سے بنایا گیا ہے جس کے معنی ہیں جمع ہونا ہے۔

اہل عرب کہتے ہیں"قرأت الماء في الحوض" ۔میں نے حوض میں پانی جمع کیا، چوں کہ اس کتاب میں سابقہ کتب اور ادیان کے ثمرات اور نتائج کو جمع کر دیا گیا ہے، اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔اور پڑھنے کو بھی اس لیے قراءت کہتے ہیں کہ پڑھنے میں حروف اور کلمات جمع ہو جاتے ہیں۔

علامہ لحیانی کہتے ہیں قرآن غفران کے وزن پر مصدر ہے قرأ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں پڑھنا۔بعض نے کہا کہ یہ مصدر مبالغہ بمعنی مفعول ہے یعنی جس کتاب کو سب سے زیادہ پڑھا جائے۔قرآن دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

(علوم القرآن صبحی)

اصطلاحی تعریف : قرآن کریم کی اصطلاحی تعریف: "الكتاب المنزل على رسول الله صلى الله عليه و سلم المكتوب في المصاحف المنقول إلينا نقلاً متواترًا بلا شبهة" (نور الانوار) یعنی قرآن ایسی کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی، جو قراء سبعہ کے مصاحف میں لکھی ہوئی ہے اور جو ہماری طرف تواتر ابلا کسی شبہ کے منقول ہے۔

محاضرہ (۹)

وحی اور اس کی ضرورت

علامہ شمس الحق افغانیؒ نے ضرورت وحی پر بڑی اہم دس دلیلیں ذکر کی ہیں:

(۱) **دلیل بقائی:** فطرتاً ہر انسان دوام اور بقاء حیات کا خواہش مند ہوتا ہے بیمار ہو جائے تو علاج ومعالجہ کی کوشش کرتا ہے، دنیا کی بعض چیزوں میں کچھ ملا کر حفاظت کی جاتی ہے. جیسے چمڑے میں نمک لگا کر اس کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح انسان کی حفاظت وبقاء قرآن اور وحی سے جڑنے میں ہے، نہیں جڑیں گے تو زندگی ضائع اور سیاہ ہو جائے گی، قرآن ایک ہی وقت سیاہ اور سفید دونوں کرتا ہے، مؤمن کے لیے سفیدی اور کافر کے لیے سیاہی کا سبب ہے، جیسے دھوبی سورج میں کپڑے دھوتا ہے تو کپڑا تو سفید ہو جاتا ہے لیکن خود سیاہ ہو جاتا ہے چوں کہ اس نے اپنی ذات پر محنت نہیں کی۔

(۲) **دلیل غذائی:** انسان کے لیے جسم اور روح ہے اور اصل روح ہے، جب یہ ختم ہو جائے تو سارے کیڑے مکوڑے جسم پر حملہ کر دیتے ہیں، جب جسم کے لیے غذا کی ضرورت ہے تو روح کے لیے بھی غذا چاہیے اور جسم زمینی ہے تو زمینی غذا چاہیے، او رروح آسمانی ہے تو آسمانی غذا چاہیے اور اسی آسمانی غذا سے حیات ملے گی اللہ کا ارشاد ہے:

﴿استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم لما يحييكم﴾ (الانفال)

اے ایمان والوں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا مانو: جب تم کو وہ ایسے امر کی طرف بلائیں جو تمہارے لئے حیات کا سبب ہے۔

(۳) دلیل دوائی: جسم متغیر ہو جائے تو دوا کی ضرورت پڑتی ہے اس طرح روح متغیر ہو جائے تو اسے بھی دوا چاہیے اور وہ دوا وحی الٰہی ہے اللہ کا ارشاد ہے۔﴿وننزل من القرآن ما هو شفاء﴾(بنی اسرائیل)

(٤) دلیل نوری: اشیاء کی دو قسمیں ہیں (۱) مرئی جو نظر آتی ہوں۔(۲) غیر مرئی جو نظر نہ آتی ہوں: جیسے ایمان وکفر، طاعت ومعصیت پہلی قسم کے لیے آنکھ کی ضرورت پڑتی ہے، دوسری قسم کے لیے وحی اور قرآن کی ضرورت ہے، ارشاد باری ہے، واتبعوا النور الذی انزل معه، اس نور کی پیروی کرو جو آپ کے ساتھ اتارا گیا۔

(۵) دلیل حبیّ: انسانی بدن محبوبات یعنی کھانے پینے اور لباس کا مشتاق ہے، اسی طرح روح فطری تقاضے کے تحت خالق کائنات اور اس کے کلام سے محبت رکھتی ہے۔

(٦) دلیل اتباعی: پوری دنیا میں تابعداری موجود ہے، احسان کی بنیاد پر اولادوالدین کی، شاگرد استاذ کی، رعیت حکومت کی، ماتحت عملہ اپنے حاکم کی تابعداری کرتے ہیں، تو مخلوق اپنے خالق کی اتباع کیوں نہ کرے اور قرآن وحی کو کیوں لازم نہ پکڑے جب کہ وہ تو سب سے بڑا محسن ہے۔

(۷) دلیل نفسیاتی: ایک انسان تنہائی میں جنگل کے اندر کوئی گناہ کرے، زنا، چوری وغیرہ کرے تو اس کا نفس اس کو للکارتا ہے، جھنجھوڑتا ہے، حالاں کہ وہا ں کوئی پکڑنے والا موجود نہیں، کوئی انسانی قانون موجود نہیں، دراصل وہ سمجھتا ہے کہ کسی قانون کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، اور وہ ہے خدائی قانون۔

(۸) دلیل تخلیقی: اللہ کے ماسواء عالم میں دو چیزیں ہیں:

(۱) انسان (۲) اور خادم انسان۔

پورا عالم تخلیق الٰہی ہے اور ساری چیزیں نباتات اور معدنیات سب انسان کے کام کی ہیں، ارشاد الٰہی ہے ﴿سخر لکم ما فی السمٰوٰت والأرض﴾ زمین وآسمان کی ساری چیزوں کو کام میں لگا دیا، تو ساری چیزیں خادم انسان ہیں، لیکن یہ چھوٹا سا انسان اس کی تخلیق کی حکمت کیا ہے؟ تو ہم جواب دیں گے کہ انسان سب سے اشرف ہے، تو اس کا مقصد بھی سب سے اشرف، وہ ہے اتباع وحی اور اطاعت الٰہی۔

(۹) **دلیل ترحمی** : اللہ سب پر رحم کرنے والے اور انعام کرنے والے ہیں، اللہ انسان پر ہر طرح سے رحم وکرم کر رہا ہے، تو کیا اس کے مضر اعمال نہ بتائے، انسان زہر آلود عقائد واعمال میں مبتلا رہے اور خالق کائنات صرف تماشائی بنا رہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

(۱۰) **دلیل نظامی** : کائنات کی ساری چیزیں ایک خدائی نظام کے تحت چل رہی ہیں، تو وہ خدا انسان جیسے اشرف المخلوقات کو بے نظام اور بے ترتیب کیسے چھوڑ دے۔

"وحی کی لغوی واصطلاحی تعریف:

وحی کے لغوی معنی ہیں الاشارة بسرعة، جلدی سے کوئی اشارہ کرنا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ نے ارشاد فرمایا: ﴿فاوحی إلیهم أن سبحوا بکرة وعشیا﴾ (مریم) حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کو اشارہ سے کہا کہ صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو۔

بعض اہل لغت نے "الاشارة خفیة" سے تعریف کی۔ یعنی خفیہ طور پر کوئی اشارہ کرنا۔ وحی کا یہ لفظ لغت کے اعتبار سے تین صورتوں کو شامل ہے۔

(۱) **الہام:** خواہ انسان کے دل میں کوئی بات ڈالی جائے یا کسی حیوان کے دل میں اگر انسان کے دل میں کوئی بات ڈالی جائے تو الہام فطری کہتے ہیں جیسے ﴿واوحینا إلٰی ام موسٰی ان أرضعیہ﴾ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں بات ڈالی کہ ان کو دودھ پلائیں۔

اور اگر حیوان کے دل میں کوئی بات ڈالی جائے تو اسے الہام غریزی کہتے ہیں جیسے ﴿واوحی ربک إلی النحل﴾ (النحل) آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی۔

(۲) **اللہ کا اپنے فرشتوں تک کوئی حکم بھیجنا:** جیسے ﴿إذ یوحي ربک إلی الملئکۃ اني معکم﴾ یاد کرو اس وقت کو جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو یہ حکم بھیج رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

(۳) **وسوسۂ شیطانی:** جیسے اللہ کا ارشاد ہے۔ ﴿وإنّ الشیٰطین لیوحون إلی أولیٰھم﴾ (الانعام) یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔

وحی کی اصطلاحی تعریف: ”کلام اللہ المنزل علٰی نبی من أنبیائہ“ یعنی اللہ کا کلام جو پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر پر نازل کیا جائے۔

وحی کی اس تعریف کی ایسی شہرت ہوئی کہ غیر نبی کے لئے اس کا استعمال ناجائز ہو گیا، لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے یہ ہے کہ وحی اور ایحاء، دو الگ الگ لفظ ہیں ’’وحی‘‘ تو پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن ’’ایحاء‘‘ کا اطلاق غیر نبی کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔

محاضرہ (۱۰)

اقسام وحی

وحی لغوی کی تین قسمیں ہیں (۱) وحی فطری (۲) وحی ایجادی (۳) وحی عرفانی

(۱) **وحی فطری:** وہ الہام الٰہی جو اللہ تعالیٰ عام مخلوق اور جانوروں کے دل میں ڈالیں جیسے شہد کی مکھیوں کے بارے میں ہے۔﴿واوحیٰ ربک إلی النحل﴾ شہد کی مکھیوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا، یہ وحی الہام الٰہی ہے، اسی طرح ہر بچے اور کمزور سے کمزور مخلوق کو زندگی گزارنے، کھانے، پینے کے طریقے اور اس کی دیگر ضروریات پوری کرنے کے طریقے یہ سب الہام ربانی کا نتیجہ ہیں، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿الذی أعطی کل شیء خلقه ثم هدیٰ﴾ (طه) جس نے ہر ایک کو پیدا کر کے اس کی رہبری کی اس آیت میں دینی رہبری کے علاوہ فطری ہدایات بھی شامل ہیں۔

(۲) **وحی ایجادی:** دنیا میں جتنی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں یا ہو رہی ہیں یہ سب اللہ کے فیضان علم کا اثر ہے، اللہ کا فیضان علم نہ ہو تو کوئی بڑا سے بڑا موجد بھی کسی ایجاد پر قادر نہ ہو، اللہ کا یہ فیضان صالحین کے ساتھ مخصوص نہیں، کافر مشرک کے ساتھ بھی ہے بل کہ اس طرح کے ایجاد کے لئے فیضان علم کافروں کے ساتھ زیادہ ہے، چوں کہ دنیا ہی ان کا مبلغ علم ہے ﴿ذلک مبلغهم من العلم﴾ (النجم) یہ دنیا ہی ان کا منتہائے علم ہے۔

(۳) **وحی عرفانی:** وحی کا یہ طریقہ اولیاء اور اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ (علوم القرآن افغانی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا﴾ جولوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے کی رہنمائی کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ تقویٰ کی برکت سے علوم ومعارف کھولتے ہیں بل کہ علم لدنی کا وافر حصہ عطا فرماتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من عمل بما علم وَرّثه الله ما لم یعلم" (الاتحاف للزبیدی: ۱/۴۰۳) جو اپنی جانی ہوئی باتوں پر عمل کرے اللہ اسے نہ جانی ہوئی باتیں سکھادیتے ہیں۔

وحی شرعی (اصطلاحی):

وحی شرعی کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) وحی قلبی (۲) وحی کلامی (۳) وحی ملکی۔

(۱) **وحی قلبی**: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرشتوں کے واسطے کے بغیر پیغمبر کے دل میں کوئی بات ڈال دے۔

(۲) **وحی کلامی**: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود پیغمبر سے ہم کلام ہوں یہ وحی کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ یہی صورت کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئی۔

(۳) **وحی ملکی**: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی معرفت اپنا پیغام نبیوں تک پہنچائیں۔

وحی کی ان تین قسموں کی طرف اللہ نے ایک ہی آیت میں اشارہ فرمادیا: ﴿وما کان لبشر أن یکلمه الله إلا وحیا أو من ورآئ حجاب أو یرسل رسولا فیوحی باذنه ما یشاء﴾ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ اللہ اس سے گفتگو فرمائیں۔ مگر الہام کے ذریعے یا پردہ کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو بھیج کر۔ پس وہ فرشتہ اللہ کا حکم

پہونچاتا ہے جو اللہ کو منظور ہو۔

اس آیت میں "وحیا" سے پہلی قسم "أو من وراء حجاب" سے دوسری قسم "أو یرسل رسولا" سے تیسری قسم مراد ہے۔(علوم القرآن تقی)

فرشتوں کا کلام الٰہی اخذ کرنے کا طریقہ:

اب یہاں ایک سوال رہ جاتا ہے کہ فرشتے اللہ کے کلام کو کس طرح اخذ کرتے ہیں اور اس کو پیغمبروں تک کس طرح پہونچاتے ہیں۔اس سلسلے میں تین اقوال ہیں:

(۱) فرشتے خود اللہ کے کلام کو سنتے ہیں، اور بعینہ نبیوں تک پہونچاتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿حتی إذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربكم قالوا الحق وهو العلي الكبير﴾(السباء) جب اللہ فرشتوں سے ہم کلام ہوتے ہیں تو کلام الٰہی کے رعب وجلال کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوجاتے ہیں، جب ہوش آتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا، وہ کہتے ہیں کہ حق ارشاد فرمایا:

اور نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:"إذا أراد الله أن يوحي بالامر تكلم بالوحي اخذت السماء منه رجفة أو رعدة شديدة خوفاً من الله تعالىٰ فاذا سمع اهل السماء صعقوا وخروا سجدا فيكون اولهم يرفع راسه جبرئيل فيكلمه الله من وحيه بما أراد"(عمدة القاری: ۸۶) ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرف کوئی پیغام چاہتے ہیں تو آسمان میں ایک سخت زلزلہ آجاتا ہے، جب اہل آسمان سنتے ہیں تو بے ہوش ہوکر سجدہ میں گر پڑتے ہیں، پس سب سے پہلے جبرئیل سر اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے وحی کے ذریعے ہم کلام ہوتے ہیں۔یہی قول سب سے زیادہ راجح ہے۔

(۲)فرشتے اس کو لوح محفوظ سے یاد کرتے ہیں پھر پیغمبروں تک پہونچاتے ہیں، پھر انبیاء اپنے الفاظ میں اس کو بیان کرتے ہیں۔

(۳)اللہ تعالیٰ کے کلام کے مفہوم کو سمجھ لیتے ہیں اور وہی مفہوم پیغمبروں تک پہونچاتے ہیں پھر انبیاء اپنے الفاظ میں اس کو بیان کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی شکلیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چھ طریقوں سے وحی ہوتی تھی:

(۱)**مثل صلصلة الجرس**: یعنی نزول وحی کے وقت گھنٹی کے بجنے جیسی آواز ہوتی تھی، اور یہ خود اللہ تعالیٰ کی آواز ہوتی تھی جیسا کہ بخاری شریف کی ایک روایت ہے، جس میں امام بخاریؒ نے فرقہ جہمیہ کی تردید کرتے ہوئے یہ روایت نقل کی ہے:''احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس'' کبھی میرے پاس وحی گھنٹی کے بجنے کے مانند آتی ہے۔

علامہ انور شاہؒ کی تحقیق یہ ہے کہ گھنٹی کی آواز کے ساتھ تشبیہ دو چیزوں میں ہے (۱)تسلسل صوت (۲)عدم تعیین جہت، یعنی جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل ہوتی ہے اسی طرح وحی کی آواز بھی مسلسل ہوتی تھی اور جس طرح تسلسل والی آواز کی جہت متعین نہیں ہو پاتی۔ اسی طرح وحی کی آواز کی جہت متعین نہیں ہو پاتی تھی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جہت وسمت سے منزہ ہیں، جیسے اس کی ذات بے چوں وچرا ہے اسی طرح اس کی آواز بھی۔

(۲)**تمثل ملک**: یعنی فرشتے کا کسی انسانی شکل میں آنا، عام طور پر حضرت جبرئیلؑ حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتے۔ انسانی شکل میں اس لیے آتے تھے، کہ انسان میں دو قوتیں ہیں۔(۱)بشری (۲)ملکوتی۔ فرشتے سے استفادے کے لیے آپ کو ملکوتیت

کی طرف جانا ہوتا اس میں آپ کے لیے شدت اور تکلیف زیادہ تھی، اس لیے حضرت جبرئیل ہی بشریت کی طرف آجاتے تھے تاکہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے استفادہ آسان ہو۔

(۳) حضرت جبرئیل کا اپنی اصلی شکل میں آنا: اور یہ صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ میں تین مرتبہ پیش آئی۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اصلی شکل میں دیکھنے کی تمنا کی تھی۔ دوسری مرتبہ مکہ مکرمہ کے اندر مقام اجیاد پر۔ تیسری مرتبہ شب معراج میں لیکن، بہت سے علماء نے پہلی اور دوسری صورت کو ایک ہی قرار دیا ہے اس اعتبار سے دو مرتبہ رؤیت ثابت ہوتی ہے۔

(٤) کلام الٰہی: یعنی بلا واسطہ اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے۔

(۵) رؤیائے صادقہ: یعنی سچے خواب، نبوت کے ابتدائی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ خواب دیکھتے تھے اور جیسا خواب دیکھتے بیداری میں ویسا ہی پاتے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ: "**ان اول مابدئ به الوحي الرؤيا الصادقة**" (بخاری: ۱/۲)

یعنی وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی، نبوت کی ابتداء میں تقریباً چھ ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اچھے خواب دیکھتے رہے اس لیے حدیث میں سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے، چوں کہ نبوت کی کل مدت ۲۳/سال ہے اور سچے خواب کا زمانہ ٦/ماہ ہے اس اعتبار سے وہ چھیالیسواں حصہ ہوا۔

(٦) نفث فی الروع: یعنی جبرئیلؑ کبھی سامنے آئے بغیر دل میں کوئی بات ڈال کر چلے جاتے۔ اس لئے بہت سی روایتوں میں "**ان جبرئيل نفث في روعي**" کے الفاظ آئے ہیں۔

"ان جبرئیل نفث فی روعی لا یموتن احدکم حتی یستکمل رزقہ" جبرئیلؑ نے میرے دل میں بات ڈالی کہ تم میں سے کسی کی ہرگز موت نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کرلے۔(علوم القرآن تقی)

وحی متلو اور غیر متلو:

قرآن اور احادیث طیبہ دونوں اللہ کی وحی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"اوتیت القرآن ومثلہ معہ" مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کے مانند اور بھی (یعنی احادیث)

لیکن قرآن پاک کی تعبدًا تلاوت کی جاتی ہے اس لیے اس کو وحی متلو کہا جاتا ہے۔اور احادیث طیبہ کی تعبدًا تلاوت نہیں کی جاتی اس لیے اس کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ قرآن پاک مکمل بعینہ کلام الہٰی اور الفاظ ربانی ہے،لیکن احادیث میں صرف مفہوم کی وحی کی جاتی ہے،الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں۔اور اس وحی غیر متلو کا ثبوت قرآن سے ہے،واقعہ تحریم میں کہا گیا (نبانی العلیم الخبیر)

اسی طرح ﴿ماقطعتم من لینة أو ترکتموها قائمة علی أصولها فباذن الله﴾ اور واقعہ معراج میں۔﴿فأوحی إلی عبده ما أوحی﴾

یہ سب کلمات وحی ہیں اور اس کے مضامین قرآن میں موجود نہیں ہیں،معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی کوئی اور وحی ہے،اور وہ ہے احادیث مبارکہ۔

قرآن اور حدیث قدسی میں فرق:

(۱) قرآن کے الفاظ ومعانی دونوں اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور حدیث قدسی میں صرف معانی اللہ کی طرف سے ہے اور الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ہیں، بس فرق یہ ہے کہ حدیثِ قدسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان کرتے۔

(۲) قرآن مکمل قطعی ہے، اور حدیث قدسی اکثر خبر واحد اور ظنی ہے، قرآن کے بارے میں تحدی (چیلنج) ہے، حدیث قدسی کے بارے میں نہیں ہے۔

(۳) قرآن کی تلاوت میں ہر حرف پر دس نیکی کا وعدہ ہے، نیز نماز میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے، جنبی، حائضہ، نفساء کے لیے اس کی تلاوت جائز نہیں یہ ساری باتیں اور مسائل حدیث قدسی کے لیے نہیں ہیں۔

(۴) شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا قرآن نام ہے نور ذات قدیم (اللہ) کا اور حدیث قدسی نام ہے نور روح رسول کا، اور دیگر احادیث نور ذات رسول ہے، یعنی کبھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ملاء اعلیٰ میں پہنچ جاتی ہے اس وقت جو وحی اور بات ہوتی تو اس کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔ اور روح وجسم کے اسی روئے زمین پر رہتے ہوئے جو وحی ہوتی تھی وہ عام حدیث کہلاتی ہیں۔

وحی، کشف اور الہام میں فرق:

وحی اللہ کے پیغمبروں کے ساتھ خاص ہے، کشف اور الہام اللہ کے نیک بندوں کو بھی ہوتا ہے، ہر الہام ظن کے درجہ میں ہوتا ہے، وحی کا مبدا یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے، وحی روشن برہان ہے الہام ایک وجدان ہے، نبی کا الہام صواب ہے، ولی کا الہام خطا اور صواب دونوں کا احتمال رکھتا ہے "**یشترک فیہ الاولیاء لکن الھامھم یحتمل الخطاء والصواب والھام النبی لایحتمل الا الصواب**" (حاشیہ نورالانوار) نبی کا الہام بہت قوی ہوتا ہے۔

نیز بوعلی سینا فرماتے ہیں: ''نحن نری الاشباہ بواسطة القوی والنبی یری بواسطة قوی الباطنة نحن نری ثم نعلم والنبی یعلم ثم یری'' ترجمہ: ہم چیزوں کو ظاہری قوی کے واسطے سے دیکھتے ہیں اور انبیاء کرام باطنی قوی کے واسطے سے دیکھتے ہیں، ہم پہلے دیکھتے ہیں پھر جانتے ہیں اور انبیاء پہلے جانتے ہیں پھر دیکھتے ہیں۔

پھر کشف والہام میں فرق یہ ہے کہ الہام میں صرف دل میں بات ڈالی جاتی ہے اور کشف میں آئندہ ہونے والے واقعات کو آنکھوں کے سامنے دکھا دیا جاتا ہے۔

وحی پر شبہات واعتراضات:

بعض حضرات تو سرے سے وحی کے منکر ہیں، لیکن بہت سے مستشرقین وحی کا تو انکار نہیں کرتے لیکن اس کی کیفیات کا انکار کرتے ہیں، جو حضرات وحی کے منکر ہیں ان سے یہ کہا جائے گا کہ دنیا کے آقاؤں سے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے غلام کو کسی سفر پر بھیج دیں اور سفر کا مقصد نہ بتائیں تو اللہ جو آقاؤں کا آقا ہے اس سے یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو دنیا کے سفر پر بھیج دے اور سفر کا مقصد نہ بتائے، وحی درحقیقت انسانوں کے لیے مقصد سفر کی رہنمائی ہے، اور جو حضرات کیفیات وحی کے منکر ہیں، ان کو سوچنا چاہیے کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں ایک کمزور انسان اپنے پیغام کو دنیا کے سارے گوشوں میں پہنچا سکتا ہے جب کہ یہ آلات انسانی دماغ کی ایجاد ہیں، تو جس ذات نے ایسے دماغوں کو پیدا کیا اور ایسے آلات ووسائل پیدا کئے کیا وہ خود اپنا پیغام رسولوں تک پہنچانے پر قادر نہ ہوگا یقیناً وہ قادر ہے اور جس طرح چاہے وہ پیغام پہنچا سکتا ہے۔ (علوم القرآن نقی)

محاضرہ (۱۱)

نزول قرآن

قرآن کریم کا نزول ۳ مرحلوں میں ہوا، پہلا مرحلہ اللہ کی ذات سے لوح محفوظ میں، دوسرا مرحلہ لوح محفوظ سے بیت العزت میں، تیسرا مرحلہ بیت العزت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کو تنزیلات ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ (آثار)

قرآن کریم مکمل یکبارگی لوح محفوظ سے آسمانی دنیا پر بیت العزت میں شب قدر میں اتارا گیا، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر﴾ یقیناً ہم نے اس کو شب قدر میں اتارا۔ ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے "انزلت التوراۃ لست لیلۃ من رمضان والا نجیل لاثنتی عشرۃ مضت من رمضان والزبور لثمانی عشر مضت من رمضان والقرآن لأربع وعشرین مضت من رمضان"

(احمد، بیہقی۔ عن واثلہ بن اسقع)

توریت ۶ رمضان، انجیل ۱۲ رمضان، زبور ۱۸ رمضان اور قرآن ۲۴ رمضان کو نازل ہوا۔

بیت العزت میں نازل کرنے کی حکمت:

بیت العزت یہ فرشتوں کا خانہ کعبہ ہے جس کو بیت معمور بھی کہا جاتا ہے، پورا قرآن بیت العزت میں نازل کر کے اللہ نے فرشتوں پر اس کلام کی عظمت کو ظاہر کر دیا، نیز منکرین اور مخالفین پر واضح ہو جائے کہ قرآن مسلمانوں کے سینے کے علاوہ اور دو جگہ محفوظ ہے، اس کے

بعد ۲۳ سال کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔

تدریجی نزول کے فائدے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر قرآن تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت نازل ہوا، اس میں بہت سے فائدے اور حکمتیں ہیں، علامہ صابونیؒ نے سات بڑے اہم فائدے ذکر کئے ہیں۔

(۱) تثبیت فؤاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو جمانا یعنی جیسے ہی ایذاء رسانی کی کوئی بات مشرکین کی طرف سے پیش آتی، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی مصیبت آتی تو اللہ کی جانب سے تسلی کے لئے آیتیں نازل ہو جاتیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿وقال الذین کفروا لولا نزل علیه القرآن جملة واحدة کذلک لنثبت به فؤادک﴾

کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن ایک بار کی کیوں نہیں اتارا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے اسی طرح اللہ کی حکمت ہوئی تا کہ ہم آپ کے دل کو جمائیں۔

(۲) تلطف بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ شفقت فرمائی کیوں کہ قرآن کو قولِ ثقیل کہا گیا ہے ﴿انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً﴾ ہم آپ کے اوپر ایک بھاری کلام اتارنے والے ہیں۔ قرآن ایسا کلام ہے کہ اگر پہاڑ پر اترتا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرایته خاشعا متصدعا من خشیة الله﴾ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو آپ اسے دبتے ہوئے اور ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھتے اللہ کے خوف سے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شفقت کرتے ہوئے تھوڑا تھوڑا اتارا تا کہ آسانی کے ساتھ اس بوجھ کو برداشت کرلیں۔

(۳) التدرج فی الاحکام الشرعیۃ:

یعنی دھیرے دھیرے احکام شرع کو نافذ کرنا۔ عرب آزادی کی زندگی گزارنے والے تھے۔ نظم وترتیب سے عاری تھے اگر یک بارگی پورا قرآن اور سارے احکام اتار دیئے جاتے تو ان کے لئے عمل کرنا مشکل تھا، اللہ نے دھیرے دھیرے احکام اتارے تا کہ ان کے لئے عمل آسان ہو۔

(۴) تسہیل الحفظ:

اللہ نے تھوڑا تھوڑا اس لئے نازل کیا تا کہ اسے یاد کرنا اور سینے میں محفوظ رکھنا آسان ہو۔ حضرات صحابہ کے لئے سینوں میں محفوظ رکھنا آسان ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿بل هو آيٰت بينٰت في صدور الذين اوتوا العلم﴾ یہ تو واضح آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

(۵) "المسايرة مع الحوادث والوقائع":

حادثات اور واقعات کے ساتھ ساتھ چلنا یعنی جیسے ہی کوئی حادثہ یا واقعہ پیش آتا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے احکام نازل کرتے جیسے سورۂ روم کی ابتدائی آیتیں، یا مشرکین اور اہل کتاب کی طرف سے کئے جانے والے سوالات۔

(۶) التنبيه على الخطاء:

غلطی پر متنبہ کرنا جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے کوئی غلطی ہوتی یا

اجتہادی لغزش ہوتی فوراً اللہ تعالیٰ کی جانب سے تنبیہ کے لئے کوئی آیت نازل ہوجاتی ،جیسے اسیران بدر کے بارے میں لغزش ہوئی بجائے قتل کے فدیہ کا فیصلہ کیا تو اللہ کی جانب سے تنبیہ کردی گئی ما کان لنبی أن یکون له اسری حتی یثخن فی الارض، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مناسب نہ تھا کہ قیدیوں کو یوں ہی چھوڑ دیتے یہاں تک کہ زمین میں خون بہاتے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم سے تھوڑی بے التفاتی اختیار کی اللہ نے آیت نازل فرمادی۔﴿عبس وتولی ان جاء ہ الاعمی﴾ چیں بجبیں ہوئے، بے رخی اختیار کی یہ کہ ایک نابینا آپ کے پاس آئے۔

(۷)اظہار اعجاز القرآن الکریم:

قرآن کریم کے اعجاز کا اظہار، یعنی باوجود یہ کہ قرآن مختلف ادوار واوقات اور مختلف حصے میں نازل ہوا پھر بھی کوئی آیت یا سورت غیر مربوط نہیں۔

ایسا کلام اس ذات عالی کا ہی ہوسکتا ہے جو ہر طرح کے علم کا احاطہ کئے ہوئے ہو، پچھلے مضامین اور باتوں سے اچھی طرح واقف ہو۔

پہلی وحی: صحیح قول کے مطابق سب سے پہلی وحی:﴿اقرا باسم ربک الذی خلق﴾ ہے پانچ آیتوں تک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کی عادت کے مطابق شریعت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے غار حرا میں تشریف فرما تھے۔اور غار حرا کا یہ تجرد ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق قوم کی گمراہی اور بت پرستی سے نفرت کی بنیاد پر تھا، حصول نبوت کے لیے کوئی ریاضت ومجاہدہ نہیں تھا، چوں کہ نبوت تو وہبی شئ ہے نہ کہ کسبی، اس نزول وحی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گہرا اثر ہوا۔آپ نے حضرت خدیجہؓ سے ذکر کیا انہوں نے اپنے چچا ورقہ بن نوفل سے جو پہلی آسمانی کتابوں کے بڑے جید عالم

تھے، ورقہ بن نوفل نے کہا یہ وہی ناموس (راز دار رسالت) ہے، جو حضرت موسیٰ کے پاس آتے تھے۔ ورقہ نے کہا "یا لیتنی کنت جذعا، یا لیتنی کنت حیا اذ یخرجک قومک" اے کاش میں جوان اور زندہ ہوتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔

حضرت خدیجہؓ اور ورقہ سے اس واقعہ کا ذکر محض تسکین کے لیے تھا، جس طرح اللہ نے دوسرے انبیاء کے قصے تسکین قلب کے لیے بیان فرمائے۔ ورقہ سے اس کا تذکرہ ہرگز ہرگز کسی شک کی بنیاد پر نہ تھا، کہ نعوذ باللہ آپ کو وحی یا نبوت کے بارے میں کوئی شک ہو۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ پہلی وحی سورۂ فاتحہ ہے اور حضرت جابرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی وحی سورۂ مدثر کی آیتیں ہیں، حضرت جابرؓ کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے اس کا جواب خود امام بخاریؒ نے دیا ہے کہ "وھو یحدث عن فترۃ الوحی" کہ حضرت جابرؓ فترت کو بیان کر رہے ہیں یعنی اقراء باسم ربک کے بعد کچھ سالوں تک وحی کا سلسلہ بند رہا، یہ سلسلہ وحی کے منقطع ہو جانے کے بعد جب دوبارہ وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں، اور سورۂ فاتحہ کا جواب یہ ہے کہ جب اقرأ کی چند آیتیں نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ماذا أقرأ؟ میں کیا پڑھوں رب کے نام سے، تو دوسری وحی سے اسی وقت سورۂ فاتحہ کی تعلیم دی گئی، نماز اور وضو کا طریقہ سکھایا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مکمل سورت کے اعتبار سے پہلی وحی تو سورۂ فاتحہ ہی ہے، چوں کہ پہلی وحی میں اقرا باسم ربک کی صرف پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔

آخری وحی: صحیح قول کے مطابق سب سے آخری وحی سورۂ بقرہ کی آیت واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللّٰہ ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم

لایظلمون ایسے دن سے ڈرو جس دن اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے،۔ پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سات یا گیارہ دن پہلے نازل ہوئی۔ بعض علماء نے آخری وحی الیوم اکملت لکم دینکم... الخ کو قرار دیا، لیکن یہ آیت تو عرفہ کے دن (یعنی وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۸۱ دن پہلے نازل ہوئی) اس لیے اس کو آخری وحی کہنا صحیح نہیں۔ ہاں حلال وحرام کے سلسلے میں سب سے آخری وحی یہ آیت ہے۔ بعضے علماء نے یستفتونک (آیت کلالہ) کو آخری وحی قرار دیا، اس کو آخری وحی کہنا وراثت کے اعتبار سے ہے یعنی وراثت کے متعلق نازل ہونے والی آخری آیت ''یستفتونک'' آیتِ کلالہ ہے۔

اور بعض علما نے سورہ توبہ کی ﴿لقد جاء کم رسول من انفسکم﴾ کو آخری وحی قرار دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے بارے میں نازل ہونے والی یہ آخری آیت ہے اس لیے اس کو آخری وحی کہہ دیا گیا۔

بعض علما نے ﴿إذا جاء نصر الله والفتح﴾ کو آخری وحی قرار دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر والی آیتوں میں سب سے آخری سورت سورۂ نصر ہے۔ اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری وحی سورۂ نساء کی آیت ﴿یاایھا الذین امنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل﴾ اس کا جواب یہ ہے بیع وشراء سے متعلق آخری آیت یہ نازل ہوئی۔

قول فیصل یہی ٹھہرا کہ آخری وحی ﴿واتقوا یوما ترجعون فیه إلی اللّٰه﴾ ہے۔ باقی آیتوں کو آخری وحی کہنا نسبتاً ہے۔ جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کردی گئی۔ (الاتقان)

محاضرہ (۱۲)

اسباب النزول (شانِ نزول)

شانِ نزول کا مطلب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی واقعہ یا حادثہ پیش آئے یا کوئی سائل سوال کرے، اس کے پس منظر میں اگر کوئی آیت یا سورت نازل ہو تو اسے شانِ نزول کہتے ہیں۔ مثلاً نضر بن حارث نے ایک باندی کو خریدا تھا دوسری روایت کے مطابق ملک فارس سے کچھ قصے کہانی کی کتاب خرید کر لایا تھا، اس باندی سے لوگوں کو گانے سناتا۔ اور کتابوں سے قصے کہانی سناتا۔ اور کہتا کہ یہ اس قرآن سے افضل اور لذیذ ہے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو سناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین﴾ (لقمان)

بعضے لوگ اللہ سے غافل کر دینے والی چیزیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں اور اس کو مذاق بنائیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

اسی طرح عاص بن وائل ایک مرتبہ جنگل سے ایک بوسیدہ ہڈی کو اٹھالایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ کر کہتا ہے کون اس بوسیدہ ہڈی کو دوبارہ زندہ کرے گا، اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: **﴿اولم یر الانسان انا خلقنٰہ من نطفۃ فاذا ھو**

خصیم مبین وضرب لنا مثلاً ونسی خلقه، قال من یحی العظام وهی رمیم قل یحییها الذی انشأها اول مرة﴾ کیاانسان نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا، پس یکا یک وہ کھلم کھلا جھگڑالو ہوگیا، اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی خلقت کو بھول گیا، کہتا ہے کون ان بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا، آپ فرمادیجئے وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ ان کو پیدا کیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ یہودیوں نے یا مشرکین مکہ نے چاند کے بارے میں سوال کیا کہ وہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿یسئلونک عن الاهلة قل هی مواقیت للناس والحج﴾ لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ وہ لوگوں کے (معاملات) حج (اور دیگر عبادات) کے لیے میقات ہے قرآن کریم میں اس طرح کی مثالیں بہت ہیں۔

شانِ نزول کی اہمیت:

قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے شانِ نزول کا جاننا از حد ضروری ہے۔

امام التفسیر شیخ واحدیؒ فرماتے ہیں: لایمکن معرفة التفسیر بدون الوقوف علی القصة بغیر قصہ جانے قرآن کریم کی تفسیر ممکن نہیں۔ علامہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں معرفة النزول سبب قوی لفهم الآیة. شان نزول کی معرفت آیت کے سمجھنے کے لئے قوی سبب ہے علامہ ابن تیمیہؒ کا قول ہے معرفة النزول تعین علی فهم الآیة. شان نزول کا جاننا فہم آیت میں معاون ہے۔

ان اقوال سے شانِ نزول کی اہمیت ظاہر ہو رہی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر شانِ نزول معلوم نہ ہو تو بہت سی آیتوں کے سمجھنے میں غلط فہمیاں واقع ہوں گی۔ مثلاً: ولله

المشرق والمغرب فاينما تولوا فثم وجه الله. اللہ ہی کے لئے مشرق ومغرب ہے،تم جدھر رخ کرلو وہاں اللہ ہے،اس آیت کے ظاہر سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ استقبالِ قبلہ نماز کے شرائط میں سے نہیں ہے۔ حالاں کہ تمام فقہائے کرام نے نماز کے لئے استقبالِ قبلہ کوضروری قرار دیا ہے۔اس واسطے پہلے اس آیت کے شانِ نزول کو جاننا ہوگا تاکہ غلط فہمی دور ہو جائے ۔یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حالتِ سفر میں تحری کے بعد غلط سمت میں نماز پڑھ لی،بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ دوسری سمت تھا،ان صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو اللہ نے مذکورہ آیت کو نازل کیا۔ معلوم ہوا کہ مذکورہ آیت عام نہیں ہے بل کہ تحری کے بعد غلط سمت میں نماز پڑھ لی جائے تو ایسے موقع کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح ایک دوسری آیت ہے:﴿ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت او اعتمر فلاجناح عليه ان يطوف بهما ﴾(البقرة) صفااور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہیں،لہٰذا جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ دونوں کے درمیان سعی کرے۔(المباحث فی علوم القرآن)

آیت کے ظاہر سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ حاجی اور معتمر کے لئے صفا اور مروہ کی سعی واجب نہیں جب کہ فقہاء نے وجوب کی صراحت کی ہے،تو آیت کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے شانِ نزول کو جاننا ہوگا۔قصہ یہ ہے زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ پر اصاف اور نائلہ نامی دو بت رکھے ہوئے تھے، جب ایمان والوں کو ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کا حکم دیا گیا تو ان کو تنگی محسوس ہوئی کہ اس طریقے سے ان کفار کے ساتھ تو مشابہت نہ ہو جائے گی جو اُن بتوں کو پوجتے تھے اللہ نے مذکورہ

آیت کے ذریعہ اس حرج اور تنگی کو دور فرمادیا۔

اسی طرح ساتویں پارہ کی ایک آیت ہے:﴿لیس علی الذین امنوا وعملوا الصٰلحٰت جناح فیما طعموا﴾ شراب پینے میں ان لوگوں پر کوئی حرج نہیں جو ایمان لائے اور اعمال صالح کئے۔ اس آیت کے ظاہر سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ شراب حلال ہے لیکن اگر شان نزول جان لیا جائے تو یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی، واقعہ یہ ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو بعض صحابہ اپنے ان رشتہ داروں کے بارے میں متفکر ہوئے جنہوں نے تحریم خمر سے پہلے حالت ایمان میں شراب پی تھی، اور ان کی وفات ہوگئی، نہ جانے اللہ ان کے ساتھ کیسا معاملہ فرمائیں گے، تو اللہ نے اس آیت میں ان ایمان والوں کو تسلی دی کہ جو حضرات تحریم خمر سے پہلے وفات پا چکے تھے ان کے شرب خمر میں کوئی حرج نہیں اللہ انہیں معاف فرمادیں گے۔

شانِ نزول جاننے کے طریقے:

کسی آیت یا سورت کا شانِ نزول جاننے کے لئے صریح اور منصوص طریقہ یہ ہے کہ راوی سبب یا فاء تعقیبیہ استعمال کرے مثلاً ایسا کہے "سبب نزول هذه الآية" یا کہے "حدثت هذه الواقعة فنزلت هذه الآية" یا کہے "سأل رجل عن هذه المسئلة فنزلت الآية" سبب اور فاء تعقیبیہ یہی دونوں لفظ شان نزول کے جاننے کے لئے صریح ہیں اور اگر راوی: نزلت الآية في كذا ۔نزلت السورة في هذا الحكم وغیرہ کا لفظ استعمال کرے تو اس سے شان نزول بتانا مقصود نہیں ہوتا، بل کہ آیت کا مشتملہ حکم مراد ہوتا ہے۔ یعنی یہ آیت اس حکم میں شامل ہے۔ جیسے حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ نے آیت: فليغيرن خلق الله کے بارے میں فرمایا: "نزلت الآية في الاختصاء"

یعنی یہ آیت اختصاء یعنی خصیہ نکالنے کے بارے میں نازل ہوئی، مطلب یہ ہے کہ خصیے نکلوانا بھی تغییر فی خلق اللہ میں شامل ہے، پہلے زمانے میں دستور تھا کہ غلاموں کو گھر کے کام کاج کے لیے رکھتے تو ان کے خصیے نکلوا دیتے، تا کہ گھر کے بیوی بچوں کی عصمت کی حفاظت ہو، اسی طرح ونکتب ما قدموا و آثارھم ۔ہم ان کے آگے بھیجے ہوئے اعمال اور نشانِ قدم کو لکھتے ہیں، اس آیت کے بارے میں کہا گیا نزلت الآیة فی الخطا الی المساجد یہ آیت مسجد کی طرف چل کر جانے کے بارے میں نازل ہوئی، یعنی اگر کوئی مسجد کی طرف چل کر جائے تو اللہ اس نمازی کے نقش قدم کو لکھتے ہیں۔ یہاں پر بھی آیت کا مشتملہ حکم مراد ہے۔ شانِ نزول مراد نہیں۔ (التبیان)

سبب نزول کا متعدد ہونا:

اگر کسی آیت میں کئی شان نزول موجود ہوں تو جو راوی سبب کا لفظ یا فاء تعقیبہ کا استعمال کرے تو اس روایت کو ترجیح دی جائے گی، اور اگر دونوں راوی سبب نزول یا فاء تعقیبہ کا استعمال کریں تو پھر اس روایت کو ترجیح دی جائے گی جس میں قصہ کی تفصیل موجود ہو مثلا: ﴿نساؤکم حرث لکم﴾ (تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتی ہیں) اس آیت کے شان نزول میں دو روایتیں ہیں۔

ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اور دوسری حضرت جابرؓ کی۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی صرف اتنا کہا: سبب نزول ھذہ الآیة اتیان النساء من ادبارھن. یعنی اس آیت کے نزول کا سبب عورتوں کے دبر کی طرف سے قبل میں وطی کرنے کے متعلق ہے، لیکن یہ روایت مجمل ہے۔ اور حضرت جابرؓ کی روایت مفصل ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہود یہ خیال کرتے تھے کہ اگر عورتوں کے قبل میں پیچھے کی طرف سے

وطی کی جائے تو اس سے بچہ اعور (بھینگا) پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید میں یہ آیت نازل کی کہ جس طرح چاہو اپنی بیویوں کے ساتھ مجامعت کر سکتے ہو، اور اگر دونوں راوی قصہ کی تفصیل ذکر کریں تو پھر قوت وضعف کو دیکھا جائے گا، اور قوی روایت کو ترجیح دی جائے گی مثلاً: ﴿والضحی واللیل إذا سجی﴾ اس سورت کے نزول کے متعلق دو واقعے منقول ہیں، ایک واقعہ حضرت جندب بن جنادہؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو یا تین راتوں کی تہجد کی نماز فوت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی کا سلسلہ بند ہوگیا، مشرکین میں سے ایک عورت (ام جمیل زوجہ ابولہب) نے طعنہ دیا قد ترک شیطانک. تیرے شیطان نے تیرا ساتھ چھوڑ دیا، مشرکین نعوذ باللہ یہ سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاہن اور نجومی ہیں جن کے پاس شیاطین غیب کی خبریں پہونچاتے ہیں اس لیے اس عورت نے ایسے کلمات سے طعنہ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے پوری سورت نازل فرمادی، ﴿ما ودعک ربک وما قلی﴾ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا نہیں اور نہ ناراض ہوا، اور شروع میں والضحی اور رات کی تاریکی کی قسم اس لیے کھائی کہ جیسے دن کی چمک دمک کے بعد رات کی تاریکی کا چھاجانا اللہ کی ناراضگی کی دلیل نہیں اسی طرح وحی کے جاری رہتے ہوئے اس کا بند ہوجانا اللہ کی ناراضگی کی دلیل نہیں۔

یہ روایت سند کے اعتبار سے نہایت مضبوط ہے، اور یہی شانِ نزول ہے، ایک دوسرا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم کا نام سے منقول ہے کہ حضرت جبرئیل وعدہ کر گئے کہ کل آؤں گا لیکن نہیں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا جبرئیل تو وعدہ خلافی نہیں کرتے،

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کی صفائی کا حکم دیا تو ایک کتے کا بچہ مرا ہوا نکلا، تو آپ نے اسے نکال پھینکا اتنے میں حضرت جبرئیل تشریف لے آئے اور فرمایا ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا یا تصویر ہو، یہ واقعہ گرچہ صحیح ہے، لیکن اس کو شان نزول کے ساتھ جوڑنا درست نہیں، اور اگر کسی آیت کے شان نزول میں دونوں روایتیں صحیح اور قوی ہوں تو ترجیح کے طریقوں میں سے کسی طریقے سے ایک کو راجح قرار دیا جائے گا۔ مثلاً راوی کا یہ کہنا کہ میں اس واقعے کے وقت موجود تھا۔ میں ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس کی مثال یہ آیت ہے ویسئلونک عن الروح ۔ اس آیت کے سلسلہ میں بھی دو شانِ نزول ذکر کئے جاتے ہیں؛ ایک تو یہ کہ مشرکینِ مکہ نے یہودیوں سے کہا کہ تم لوگ ہم کو ایسے سوالات سکھادو جو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں تاکہ آپ کی نبوت کا امتحان ہوجائے، اس واقعہ سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔

اور دوسرے واقعے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ (زاد ھا اللہ شرفا و کرامۃ) میں چل رہے تھے تو کچھ یہودیوں نے روح کے بارے میں سوال کیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿قل الروح من امر ربي﴾ اسی شانِ نزول کو ترجیح دی جائے گی کیوں کہ اس واقعے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ساتھ رہنا، اور ان کا مشاہدہ مذکور ہے، جو ترجیح کا ایک اہم طریقہ اور ذریعہ ہے۔

محاضرہ (۱۳)

شانِ نزول کا حکم

شانِ نزول کے تین احکام ہیں:

(۱) اگر واقعہ بھی عام ہو اور صیغہ بھی عام ہو تو اس آیت کا حکم عام ہوگا جیسے ﴿ویسئلونک عن المحیض﴾ سوال کرنے والے سارے یہود ہیں اور تمام حائضہ عورتوں کے بارے میں انہوں نے سوال کیا ہے۔ تو یہ حکم تمام حالتِ حیض والی عورتوں کے ساتھ ہوگا، کہ ایسی عورتوں سے حالتِ حیض میں وطی نہ کی جائے، کیوں کہ حیض گندگی ہے۔

(۲) واقعہ بھی خاص ہو اور صیغہ بھی خاص ہو۔ تو بالاتفاق اس آیت کا حکم بھی خاص ہوگا۔ جیسے وسیجنبها الاتقی الذی یؤتی ماله یتزکی۔ یہاں سے اخیر تک کی آیتیں حضرت ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئیں۔ واقعہ بھی خاص ہے کہ وہ کمزور غلام اور باندیوں کو جو اسلام کی وجہ سے ستائے جاتے تھے، خرید خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔ صیغہ بھی اللہ تعالیٰ نے واحد کا استعمال کیا۔ تو یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مدح اور تعریف کے لیے ہوگی۔ دوسروں کے لیے اس مدح کو اشارۃ النص اور دلالۃ النص سے ثابت کیا جائے گا۔

(۳) واقعہ خاص ہو، لیکن صیغہ عام ہو: اس کا حکم صیغہ کے عموم کو دیکھتے ہوئے عام رکھا جائے گا۔ جیسے ﴿الذین یظهرون منکم من نسائهم﴾ یہ آیتِ ظہار ہے جو حضرت اوس بن صامتؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اسلام کا پہلا ظہار تھا۔ کہ انہوں نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ کو "انتِ علیَّ کظهر امی" کہہ دیا تھا، یعنی تو

میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔زمانۂ جاہلیت میں ظہار سے حرمتِ ابدی ثابت ہوجاتی تھی، اسلام نے اس کو ختم کر دیا کہ حرمت تو ثابت ہوگی لیکن کفارے سے ختم ہوجائے گی۔

اس آیت کا واقعہ تو خاص ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صیغہ (الذین یظھرون) جمع کا استعمال کیا۔تو ایسی آیتوں کا حکم یہ ہے کہ حکم کو عام رکھا جائے۔ایسی صورتوں کے لیے اصولیین کا ضابطہ ہے۔ العبرة بعموم اللفظ لابخصوص المورد. کہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے، شانِ نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا، تیسری صورت کی ایک اور مثال قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں ذکر فرمائی کہ لعان کی صورت کو صیغہ جمع کے ساتھ ذکر کیا ﴿والذین یرمون ازواجھم ..الخ﴾ حالاں کہ واقعہ خاص ہے، یہ آیت حضرت ہلال بن امیہ کے بارے میں نازل ہوئی غرض یہ کہ ایسی ساری آیتیں عموم پر محمول ہوں گی۔

تقدیمِ نزول:

قرآن کریم کی بعض آیتیں ایسی ہیں کہ جن کا نزول پہلے ہو چکا اور حکم بعد میں آیا، مثلاً ﴿قد افلح من تزکی﴾ بامراد ہوا وہ شخص جو پاک صاف ہوگیا۔

یہ آیت مکی ہے، صدقۂ فطر کے بارے میں نازل ہوئی۔حالاں کہ صدقہ فطر کا حکم مدنی زندگی میں آیا اسی طرح ﴿لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد﴾ میں اس شہرِ مکہ کی قسم کھاتا ہوں اور آپ کے لیے یہ شہر حلال ہونے والا ہے، اس آیت کے نزول کے کئی سال بعد فتح مکہ پیش آیا، جس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شہرِ مکہ میں خون بہانے کی اجازت دی گئی۔

سبب ایک، نزول متعدد:

قرآن کی بعض آیتیں متعدد ہیں۔لیکن ان سب آیتوں کے نزول کا سبب ایک ہے جیسے ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ نے سوال کیا: یارسول اللہ لااسمع اللہ ذکر النساء في الهجرة شيء. (ترمذی) اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اللہ سے عورتوں کی ہجرت کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں سنا، تو اللہ نے اس کے لیے متعدد مواقع پر کئی آیتیں نازل فرمائیں، جس میں اللہ نے بتایا کہ اعمال صالحہ اور اس کے اجر وثواب میں مردوں کی طرح عورتوں کا بھی پورا پورا حصہ ہے۔

﴿فاستجاب لهم ربهم انی لااضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی﴾ (آلِ عمران).

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ان المسلمین والمسلمٰت والمؤمنین والمؤمنٰت والقانتین والقانتٰت الخ﴾ ہے۔(الاحزاب)

تیسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ولا تتمنو امافضل اللہ به بعضکم علی بعض للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مِمَّا اکتسبن﴾ (النساء)

ان تینوں آیتوں کے نزول کا سبب ایک ہے۔

اسی طرح تعدد نزول کی ایک شکل یہ ہے کہ کئی آیتیں شخص واحد کے بارے میں نازل ہوں۔ جیسے حضرت سعد بن وقاصؓ اور ان کی والدہ کے متعلق کئی آیتیں نازل ہوئیں، ایک سورۂ عنکبوت کی وان جاھداک. دوسری سورۂ لقمان کی ووصینا الانسان بوالدیه حملته امه وهنا ۔تیسری سورۂ احقاف کی ووصینا الانسان بوالدیه احسانا. (مباحث فی علوم القرآن)

سبب نزول کے فوائد:

سبب نزول (شانِ نزول) کے بہت سے فوائد ہیں:

(۱) شرعی امور میں بیانِ حکمت اور مصالحِ شرعیہ کی رعایت۔

(۲) نزول کے سبب حکم کا خاص ہو جانا۔

(۳) الفاظ کے عموم کے سبب حکم کا عام ہو جانا۔

(۴) سبب نزول قرآنی آیات کے فہم کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۵) سبب نزول سے مراد متعین ہو جاتی ہے۔ کوئی اس کو غلط ذات کی طرف منسوب نہیں کر سکتا ہے۔ جیسے: ﴿والذی قال لوالدیه اف لکما﴾ مروان نے ایک مرتبہ خطبہ میں کہا یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے بارے میں نازل ہوئی، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کذب مروان ولو شئت أن اسمی الذی نزلت فیه لسمیته. مروان جھوٹا ہے اگر میں بیان کرنا چاہوں کہ کس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تو میں بیان کر سکتی ہوں۔

مکرر نازل ہونے والی آیات اور سورتیں:

کئی آیتوں اور سورتوں کا نزول مکرر ہوا، مثلاً سورہ فاتحہ، ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اسی طرح سورہ اخلاص، یہود اور مشرکین دونوں کے سوال پر دو مرتبہ نازل ہوئی، اسی طرح آیت: ﴿واقم الصلوٰة طرفی النهار وزلفا من اللیل ان الحسنٰت یذهبن السیئٰت﴾ نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں اور رات کے حصوں میں بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ آیت ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جب کہ کسی شخص نے اجنبیہ کا بوسہ لے لیا تھا، اور دوسری مرتبہ

مدینہ منورہ میں حضرت بسرؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔(مباحث)

آیات اور سورتوں کے درمیان مناسبت:

آیات اور سورتوں کے درمیان مناسبت اور ربط پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں مفسرینؒ فرماتے ہیں زیادہ تر اسرار و رموز کو اللہ نے مناسبت میں رکھا ہے، مناسبت کلام کے حسن میں شامل ہے، عقلوں اور ذہنوں کو ایک طرح کی مسرت حاصل ہوتی ہے، اور قائل کی عظمت بڑھ جاتی ہے، یہ مناسبت سورہ کی ابتداء وانتہاء اور آیات کی ابتداء واختتام دونوں پر ہوتی ہے۔

مناسبت کی کئی قسمیں ہیں عام، خاص، عقلی، حسی، خیالی، تلازمِ ذہنی، تلازمِ خارجی، سبب مسبب علت ومعلول، نظیرین، ضدین وغیرہ مثلاً سورہ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم ہے تو اس سے متصل سورۂ بقرہ میں ذلک الکتٰب لاریب فیه سے صراط مستقیم کی وضاحت ہے۔ اسی طرح سورۂ واقعہ تسبیح پر ختم ہے تو اگلی سورت یعنی سورۂ حدید تسبیح سے شروع ہے، سورۂ مومنون قد افلح المومنون سے شروع ہے اور لا یفلح الکفرون پر ختم ہے۔

قرآن کے سات حروف پر نازل کرنے کا مطلب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے۔ انزل القران علی سبعة احرف . قرآن سات حروف پر اتارا گیا۔ سارے عربوں کو ایک پیرائے میں قرآن پڑھنا مشکل تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے آسانی مانگی تو اللہ نے سات پیرائے میں پڑھنے کی اجازت دے دی (مسلم شریف: بحوالہ آثار) امام طحاوی فرماتے ہیں پہلے قرآن لغتِ قریش میں اترا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہولت مانگی۔ گویا یہ

قرآن پورے عرب کے لئے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے کہ مسلمان کسی قبیلہ کے ہوں قرآن کی تلاوت میں کسی طرح کی اجنبیت محسوس نہ کریں۔

ہذیل حتی کے بجائے عتی پڑھتے تھے، بنواسد کے لوگ علامت مضارع کو کسرہ دیتے، بنوتمیم شنت یؤمنون جیسی مثالوں میں ہمزہ پڑھتے، قریش ہمزہ کو حرف علت سے بدل دیتے، بعضے عرب قیل، غیض میں اشمام کرتے، بعضے علیهم، منهم کو علیهمو، منهمو پڑھتے، بعضے موسی، عیسی، دنیا کو اما لے کے ساتھ پڑھتے، بعضے خبیرًا بصیرًا میں ترقیق اور الصلاۃ، الطلاق کے لام میں تفخیم پڑھتے۔

یہ چند نمونے ہیں، جہاں عربوں کے قبیلے میں اختلاف پایا جاتا تھا، قرآن نے اس کی گنجائش دے دی غرضیکہ سبعۃ احرف سے مراد سات قبائل کی لغات اور طریقۂ قرآت ہیں، بعضے محدثین فرماتے ہیں سبعۃ احرف سے مراد قرآن کریم کے سات مضامین ہیں (۱) حلال، حرام، محکم، متشابہ، امثال، اخبار، انشاء، کان الکتاب الاول علی حرف واحد و نزل القران من سبعة ابواب زاجر، آمر، حلال، حرام، محکم، متشابه، امثال (مشکل الآثار)

اور بعضے حضرات نے اس کے سات درجے مراد لئے ہیں' ناسخ' منسوخ' عام، خاص، مجمل، مبین، مفسر۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے کثرتِ قرأت کی طرف اشارہ ہے چوں کہ عربی میں سات کا عدد کبھی کثرت کو بتانے کے لیے آتا ہے جیسے سورۂ لقمان کی آیت سبعة ابحر ما نفدت کلمٰت الله. میں سات سے کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح حدیث: الکافر یاکل فی سبعة امعاء. کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

امام طبرانی کی رائے یہ ہے کہ اس سے عرب کے سات قبائل مراد ہیں جن کی لغت میں قرآن نازل ہوا، قریش، ہذیل، تیم رباب، ازد، ربیعہ، ہوازن، سعد بن بکر، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ حدیث میں تو آیا ہے کہ قرآن لغت قریش میں نازل ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ لغت قریش ہی میں نازل ہوا مگر ان قبائل کو اپنی لغات کے مطابق تلاوت کی اجازت تھی۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اختلافِ قرأت مراد ہے۔ جو سات صورتوں میں منحصر ہے:

(۱) واحد وجمع کا اختلاف جیسے: وتمت کلمة ربک صدقاوعدلا ایک قرأت میں کلمہ کو جمع یعنی کلمات پڑھا گیا ہے۔

(۲) تذکیر وتانیث کا اختلاف جیسے: ولایقبل منهاشفاعة دوسری قرأت میں ولاتقبل پڑھا گیا ہے۔

(۳) وجوہِ اعراب کا اختلاف جیسے: هل من خالق غيرُالله ایک قرأت میں غيرِ الله جر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

(۴) ادواتِ نحویہ کا اختلاف جیسے: لكنّ الشيطان. لكنِ، تشدید اور تخفیف دونوں طرح جائز ہے۔

(۵) ہیئتِ صرفی کا اختلاف جیسے: مما يعرشون ضرب اور تفعیل يعرّشون دونوں بابوں سے صحیح ہے۔

(۶) لفظ کا اختلاف جیسے بہت ہی جگہوں پر يعلمون کی جگہ يعملون پڑھنا۔

(۷) لہجوں کا اختلاف یعنی مد، قصر، امالہ۔ وغیرہ۔

سبعۂ احرف کے سلسلہ میں یہی قول سب سے زیادہ راجح ہے۔

(علوم القرآن تقی عثمانی)

نوٹ : شیعہ حضرات اختلاف قرأت اور سبعہ احرف کے قائل نہیں ہیں ان کے اصول کافی میں ہے ان القرآن نزل علی حرف واحد من عند الواحد. قرآن ایک ہستی کی طرف سے ایک طریقہ پر اتارا گیا ہے، شیعہ حضرات کے اصول دین میں یہ بات شامل ہے کہ اصل دین وہ ہوگا جو اہل سنت والجماعت کے خلاف ہو۔

(۲) انزل القرآن علی سبعة احرف. یہ حدیث حدِ تواتر کو پہونچی ہوئی ہے اس کا انکار درست نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ نے منبر پر فرمایا جس نے یہ حدیث سنی ہو وہ شہادت دے، بے شمار صحابہ کھڑے ہوگئے۔

(۳) سبعہ احرف سے سات قرأتیں یا سات لہجے یا سات قبیلے مراد لینا صحیح نہیں بل کہ لفظ کو متنوع اور مختلف طریقوں سے ادا کرنا جو سات سے آگے نہیں بڑھ سکتے لیکن یہ واضح ہو کہ سات قرأتوں کی راہ یہیں سے نکلی ہے۔

سبعہ احرف کی ضرورت کب تک:

امام طحاویؒ فرماتے ہیں: ان القراءة بالاحرف السبع کانت فی أول الأمر خاصة بالضرورة فلما کثر المسلمون والکُتّابُ ارتفعت الضرورة وعادت إلی قراءة واحدة. یعنی سات حروف پر قرآن کو پڑھنا ابتدائے اسلام میں ضرورت کی وجہ سے تھا جب مسلمان اور لکھنے پڑھنے والے زیادہ ہوگئے تو ضرورت ختم ہو گئی، اور ایک قرأت کی طرف حکم لوٹ آیا لیکن دوسری طرف بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سبعۂ احرف کی اجازت آج بھی ہے۔ (آثار)

سات قرائتیں:

جب حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن کریم کے سات نسخے تیار کرا کر مختلف بلاد میں بھیجے تو ہر ایک کے ساتھ کچھ قرائے کرام کو بھی روانہ کیا تا کہ ان کو اپنی قرأت کے مطابق قرآن سکھائیں۔اس طرح مختلف قرأت امت میں پھیل گئیں۔پھر بہت سے ائمہ اور علماء نے ان قرأتوں کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

ان قرأتوں میں سے سات ائمہ کی قرأت کی خوب شہرت ہوئی۔اور شہرت کی وجہ یہ بنی کہ ان ائمہ کی قرأت کو علامہ ابوبکر بن مجاھد (متوفی ۳۲۴ھ) نے کتابی شکل دے دی۔اور اس کی شہرت یہاں تک ہوئی کہ بعض حضرات صرف انہیں سات ائمہ کی قرأت کو صحیح سمجھنے لگے،اور انزل القرآن علی سبعة احرف کا مصداق بھی قرار دینے لگے۔جب کہ دونوں چیزیں غلط ہیں۔اختلاف قرأت کی صحت سات میں منحصر نہیں بل کہ بعض نے قرأت عشرہ کو بھی جمع فرمایا،اور بعض قراء نے ۱۴ قرأت کی تصحیح فرمائی۔بہر حال ان سب قراءتوں کی صحت کیلئے تین شرطیں ہیں۔

(۱) مصاحف عثمانی کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو۔

(۲) عربی زبان کے قواعد کے موافق ہو۔

(۳) وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو۔

وہ سات مشہور قراء یہ ہیں:

(۱) نافع بن عبدالرحمان (متوفی ۱۶۹ھ) ستر ایسے تابعین سے استفادہ کیا جو براہ راست ابی بن کعب اور عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں۔

(۲) عبداللہ بن کثیر (م ۱۲۰ھ) آپ نے حضرت انس بن مالکؓ اور ابوایوب

انصاریؒ سے استفادہ کیا۔

(۳) ابوعمر زیاد بن العلاء (م ۱۵۴ھ) آپ نے حضرت مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؒ سے استفادہ کیا۔

(۴) عبداللہ الحصی (م ۱۱۸ھ) آپ نے نعمان بن بشیرؓ اور واثلہ بن اسقعؓ کی زیارت کی۔

(۵) حمزہ بن حبیب (م ۱۸۸ھ) آپ سلیمان بن اعمشؒ، یحی بن وثاب کے واسطے سے حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد ہیں۔

(۶) عاصم بن ابی النجود (م ۱۲۷ھ) آپ زر بن حبش کے واسطے سے ابن مسعودؓ کے شاگرد ہیں۔

(۷) ابوالحسن علی بن حمزہ (م ۱۸۹ھ)

محاضرہ (۱۴)

مکی ومدنی

مکی ومدنی کی تعریف میں تین اقوال ہیں:

(۱) پہلا قول باعتبار زمان کے ہے یعنی جو آیات اور سورتیں زمانہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، خواہ کہیں بھی نازل ہوئی ہوں، اور جو آیات وسورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں خواہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں جیسے ﴿ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الأمٰنٰت إلی أهلها﴾ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت مکہ کے اندر نازل ہوئی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوف کعبہ میں موجود تھے، لیکن چوں کہ ہجرت کے بعد ۸ھ میں فتح مکہ کے دن نازل ہوئی اس لیے مدنی کہلائے گی، اسی طرح ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ یہ آیت اطراف مکہ یعنی عرفات میں نازل ہوئی پھر بھی مدنی کہلائے گی، چوں کہ ہجرت کے بعد ۱۰ھ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔

(۲) دوسرا قول باعتبار مکان کے ہے یعنی جو مکہ میں نازل ہوئی وہ مکی اور جو مدینہ میں نازل ہوئی وہ مدنی، خواہ ہجرت سے پہلے ہو، یا بعد، اس تعریف میں خاص مکہ اور مدینہ کی جگہ کا خیال رکھا گیا لیکن اس تعریف کی رو سے ایک واسطہ ماننا ہوگا کہ بہت سی آیتیں نہ مکی ہوں گی نہ مدنی مثلاً دوران سفر نازل ہونے والی آیتیں جیسے مقام تبوک پر ایک آیت نازل ہوئی ﴿لو کان عرضا قریبا وسفرا قاصدا الخ﴾ اس کو اور اس جیسی آیتوں کو نہ مکی کہہ سکتے ہیں اور نہ مدنی بل کہ یہ آیتیں سفری کہلائے گی۔

(۳) تیسرا قول باعتبار خطاب کے ہے یعنی جن آیتوں میں اہل مکہ سے خطاب ہے وہ مکی ہوں گی، اور جن آیتوں میں اہل مدینہ سے خطاب ہے وہ مدنی ہوں گی، اور اس خطاب کی پہچان بعض علماء نے ذکر کی ہے کہ جن سورتوں میں "یاایها الناس " ہے ان میں اہل مکہ سے خطاب ہے اور جن سورتوں میں یا ایها الذین آمنوا سے خطاب ہے وہ مدنی ہیں۔

فائدہ : قرآن کریم کی ۱۱۴سورتوں میں سے ۸۷مکی اور ۲۷مدنی ہیں

مکی سورتوں کی پہچان:

مکی سورتوں کی کئی پہچان ہیں۔(۱) جن سورتوں میں آیت سجدہ آئے۔

(۲) جن سورتوں میں لفظ کلا آئے اور لفظ کلا پورے قرآن میں ۳۳ رمرتبہ آیا ہے اور پندرہ سورتوں میں ہے لیکن نصف اول میں کہیں نہیں سارے کلا نصف ثانی میں ہیں۔

ایک عورت نے حجاج بن یوسف کو بددعاء دیتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ تجھے اس طرح مٹادے جس طرح نصف اول سے کلا کو مٹایا ہے۔

(۳) جن سورتوں میں تخلیق آدم علیہ السلام اور پچھلے انبیائے کرام کا ذکر ہے سوائے سورۂ بقرہ کے۔

(۴) اسی طرح جن سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں سوائے سورۂ بقرہ اور آل عمران کے۔

(۵) جن سورتوں میں یاایها الناس کے ساتھ یا ایها الذین آمنوا بھی ہے سوائے سورۂ حج کے۔

مدنی سورتوں کی پہچان:

مدنی سورتوں کی پہچان یہ ہیں۔

(۱) جن سورتوں میں منافقین کا تذکرہ ہو سوائے سورۂ عنکبوت کے۔

(۲) جن سورتوں میں شرعی سزا کا ذکر ہو۔

(۳) جن سورتوں میں اہل کتاب اور ان کے ساتھ بحث ومباحثہ کا ذکر ہو۔

(مباحث فی علوم القرآن)

فائدہ: مکی سورتوں میں زیادہ تر عقائد کا ذکر ملتا ہے اور مدنی سورتوں میں اعمال، عبادات، اخلاق ومعاملات، تمدن وسیاست، حلال وحرام کی تفصیلات ملتی ہیں، اسی طرح مکی سورتوں میں زیادہ تر مخاصمہ مشرکین سے ہے، اور مدنی سورتوں میں یہود ونصاریٰ سے۔

مکی ومدنی کی معرفت کا فائدہ:

مکی سورتوں کے جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ ایسی سورتوں سے دعوت وتبلیغ کے اسالیب معلوم ہوتے، ہیں مشرکین اور کفار کے ساتھ سلوک اور برتاؤ معلوم ہوتے ہیں اس کے علاوہ توحید اور دیگر عقائد نیز اخلاقیات کا علم ہوتا ہے۔ اور مدنی سورتوں سے منافقین کے احوال اور صفات کا علم ہوتا ہے، اسی طرح معاملات اور معاشرت کے طریقوں کو جاننا اور اہل کتاب سے بحث ومباحثہ کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔

مکی زندگی میں سورتوں کے نزول کی ترتیب:

مکی زندگی میں سورتیں مذکورہ ترتیب سے نازل ہوئیں:

اقرأ، ن، مدثر، مزمل، تبت یدا، تکویر، اللیل، الفجر، الضحیٰ،

الم نشرح، العصر، العادیات، الکوثر، التکاثر، الماعون، کافرون، الفیل، اخلاص، النجم، الاعلی، الشمس، بروج، التین، قریش، القارعه، القیامه، همزة، مرسلات، ق، البلد، طارق، قمر، ص، اعراف، جنّ، یٰسٓ، فرقان، مطففین، مریم، طٰهٰ، واقعه، شعراء، نمل، قصص، بنی اسرائیل، یونس، هود، یوسف، حجر، انعام، صافات، لقمان، سبا، زمر، المؤمن، السجدة، الشوریٰ، حمٓ السجدة، الزخرف، الدخان، الجاثیه، الاحقاف، ذاریات، غاشیه، کهف، نحل، نوح، ابرهیم، انبیاء، مومنون، طور، ملک، حاقه، معارج، نبأ، نازعات، انفطار، انشقاق. فاتحه، رعد، عنکبوت، روم، فاطر، رحمن، دهر، عبس، حج

مکہ مکرمہ میں سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۃ میں اختلاف ہے، جمہور علماء انشقاق کے قائل ہیں، حضرت ابن عباسؓ سورۂ عنکبوت کو اور امام ضحاک سورۂ تطفیف کو آخری مکی سورت مانتے ہیں۔

مدنی زندگی میں سورتوں کے نزول کی ترتیب:

مدنی زندگی میں اس ترتیب سے سورتیں نازل ہوئیں:

بقرة انفال، آل عمران، احزاب، ممتحنه، نساء، زلزال، حدید، محمد، طلاق، بینه، حشر، نور، منافقون، مجادله، حجرات، تحریم، صف، جمعه، تغابن، فتح، توبه، مائده، قدر، نصر، ناس، فلق۔

حضری، سفری: مکی و مدنی کے علاوہ قرآن کے نزول کی اور کئی تقسیم ہیں جو حضر اور اقامت کی حالت میں نازل ہوئی اسے حضری کہتے ہیں، زیادہ تر قرآن کا حصہ

حضری ہی ہے، بعض ایسی آیتیں ہیں جو سفر میں نازل ہوئیں چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

﴿واتخذوا من مقام ابرٰهم مصلی﴾ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی ﴿ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظهورها﴾ یہ آیت عمرہ حدیبیہ کے موقعہ پر نازل ہوئی، اسی طرح ﴿واتموا الحج والعمرة لله﴾ اور ﴿فمن كان منكم مريضا اوبه اذى﴾ یہ دونوں آیتیں بھی سفر حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئیں، ﴿امن الرسول بما انزل اليه من ربه﴾ فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ اسی طرح ﴿إن الله يامركم أن تؤدوا الامنٰت﴾ بھی ﴿الذين استجابوا لله والرسول﴾ غزوۂ حمراء الاسد کے موقع پر نازل ہوئی اور آیت تیمم غزوۂ بنی المصطلق کے موقعہ پر نازل ہوئی۔

نہاری و لیلی: قرآن کا زیادہ حصہ دن میں نازل ہوا اسے نہاری کہتے ہیں لیکن کچھ آیتیں رات میں بھی نازل ہوئیں انہیں لیلی کہا جاتا ہے، چند مثالیں ذکر کی جا رہی ہیں ﴿قد نرى تقلب وجهك في السماء﴾ تحویل قبلہ کی آیت، اسی طرح ﴿ان في خلق السموٰت والأرض﴾ اور ﴿والله يعصمك من الناس﴾ اور ﴿وعلى الثلثة الذين خلفوا﴾ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تینوں صحابہ کی توبہ کی قبولیت کی بشارت سورۂ حج، سورۂ انعام، سورۂ فتح، سورۂ منافقین، سورۂ مرسلات، معوذتین یہ سب رات میں نازل ہوئیں۔

صیفی، شتائی: کلالہ کے بارے میں دو آیتیں ہیں پہلی آیت پانچویں پارہ کی ہے جو سردی میں نازل ہوئی، اور دوسری آیت چھٹے پارہ والی، موسم گرما میں نازل ہوئی، اسی طرح غزوۂ تبوک والی آیتیں اور سورۂ نصر اور ﴿اليوم اكملت لكم﴾ اور آیت دین اور ﴿واتقوا يوما ترجعون فيه﴾ یہ سب صیفی ہیں اور غزوۂ خندق والی

آیتیں اور حضرت عائشہ کی برأت والی آیتیں شتائی ہیں۔

فراشی اور نومی : قرآن کا اکثر حصہ تو جاگنے کی حالت میں نازل ہوا، لیکن کچھ آیتیں بستر پر پہونچنے کے بعد یا حالت استراحت اور پلک جھپکنے کی حالت میں نازل ہوئیں۔ مثلاً ﴿واللہ یعصمک من الناس﴾ اور ﴿وعلی الثلثۃ الذین خلفوا﴾ اور سورۂ کوثر وغیرہ۔

ارضی، سماوی، فضائی، غاری:

قرآن کا اکثر حصہ تو زمین پر اترا اور کچھ آسمان پر مثلاً سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں ﴿آمن الرسول﴾ سے اخیر تک، لیکن کچھ آیتیں ایسی ہیں جو نہ ارضی ہے نہ سماوی بل کہ فضائی ہیں مثلاً ﴿وما منا إلا لہٗ مقام معلوم﴾ مقام معلوم یہاں سے تین آیتیں اور ﴿وَسْئَلْ من ارسلنا من قبلک من رسلنا﴾ اور کچھ حصہ زیر زمین غار کے اندر نازل ہوا وہ سورۂ مرسلات ہے۔ (الاتقان)

محاضرہ (۱۵)

جمع قرآن

جمع قرآن کی دو قسمیں ہیں (۱) جمع فی الصدور (۲) جمع فی السطور

جمع فی الصدور کا مطلب ہے، اس کو یاد کرنا اور اپنے سینے میں محفوظ کرنا، اور جمع فی السطور کا مطلب اسے لکھ لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دونوں قسم کے جمع کا رواج اور اہتمام تھا جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو فوراً صحابۂ کرام یاد کر لیتے اسی طرح احیاء لیل (یعنی تہجد) میں پڑھنے کا اہتمام فرماتے تاکہ قرآن سینوں میں اچھی طرح محفوظ ہو جائے تاریخ کی کتابوں میں صحابۂ کرام کے اخیر شب میں قرآن پڑھنے کی آواز کو ذکر کیا گیا ﴿لهم دوی کدوی النحل﴾ ان کے لیے شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناہٹ ہوتی۔

احیاء لیل میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کے خاندان کو خصوصی امتیاز حاصل تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "انی لأعرف فقه الأشعر بین بالقرآن حین یدخلون باللیل واعرف منازلهم من أصواتهم بالقرآن باللیل" میں قبیلہ اشعر کے مکانوں کو رات میں قرآن کی آواز سے پہچان لیتا ہوں، جمع فی السطور کا بھی اہتمام فرماتے جب بھی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو کاتبان وحی میں سے کسی کو بلا کر لکھوا لیتے عرب کے ناخواندہ اور امی ہونے کے باوجود ان میں لکھنے لکھانے کا رواج تھا گو کم تھا، عرب میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد ۱۷ تھی۔ (امداد الباری ج ۱ ص ۵۱)

پہلی وحی علم بالقلم سے کتابت کا اشارہ ملتا ہے اسی طرح کفار کے اعتراض کو قرآن نے ایک جگہ پر نقل کیا ﴿وقالوا اساطیر الأولین اکتتبها فهی تملی علیه﴾ اس آیت سے کتابت کے رواج کا علم ہوتا ہے۔

جمع قرآن بعہد ابی بکرؓ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گرچہ پورا قرآن سطور میں محفوظ کرلیا گیا تھا، لیکن وہ مختلف ٹکڑوں، چھالوں اور چمڑوں پر تھا حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت ۱۲ھ میں جنگ یمامہ ہوئی، یہ جنگ اہل اسلام اور مسیلمہ کذاب کے بیچ ہوئی جس میں ستر حفاظ کرام شہید کردیے گئے تو حضرت عمرؓ ابوبکرؓ کے پاس تشریف لائے، اور یہ عرض کیا کہ اگر اسی طرح حفاظ کرام شہید ہوتے رہے تو قرآن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

آپ قرآن کو یکجا کردیں انہوں نے کہا ﴿کیف افعل شیئا لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم﴾ میں وہ کام کیسے کروں جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، تو عمرؓ بار بار اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرح صدر ہوگیا، چناں چہ انہوں نے زید بن ثابت کو اس کا مکلف بنایا۔ وہ کہتے ہیں اگر ابوبکر مجھے کسی پہاڑ کے منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ آسان تھا۔ انہوں نے لوگوں کے سینوں، چھالوں، چمڑوں پر سے جمع کرنا شروع کیا اور کوئی حصہ بغیر دو آدمیوں کی شہادت کے قبول نہ کرتے اور یہ شہادت جزء قرآن ہونے کی نہ ہوتی، بل کہ یہ آیت کس سورۃ کی ہے اور کس آیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھایا تھا ورنہ قرآن کا ہر ہر جزء بالکل متواتر اور مشہور تھا۔

اس پر دو گواہ کیا شاہدوں کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ ایک آیت ﴿لقد جاء کم

رسول من انفسکم ﴾ یہ حضرت خزیمہؓ کے پاس ملی۔ اور اس پر کوئی گواہ نہ تھا کہ کس سورت کی ہے اور اسے کس آیت کے بعد لکھا جائے گا، لیکن پھر بھی حضرت زید بن ثابتؓ نے اس کو قبول کرلیا۔ اس لیے کہ حضرت خزیمہؓ کی تنہا گواہی دو کے برابر تھی، آپؐ نے ان کے بارے میں ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا ''من شهد له خزيمة أو عليه فهو حسبه ''۔ (مجمع الزوائد: ۹/۳۲۰۔ کنز: رقم ۳۰۳۸) حضرت خزیمہؓ جس کے بارے میں گواہی دے دیں وہ کافی ہے۔

ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے یہ ہے کہ دو گواہی سے مراد حفظ اور کتابت ہوتی۔ یعنی ان صحابی نے اسے یاد بھی کیا اور لکھا بھی۔

یہ مکمل نسخہ پورا تیار ہوگیا جو خطِ حمیری میں لکھا گیا تھا۔ اور اس کا مقصد حفاظت قرآن تھا۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے، اللہ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے وہ اول شخص ہیں جنہوں نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع فرمایا۔ اور اس کا نام حضرت ابوبکرؓ کی رائے کے مطابق مصحف تجویز کیا گیا۔ بعض نے السفر تجویز کیا تو فرمایا یہ یہود کی تجویز ہے۔ یہ نسخہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔ پھر ۶۵ھ میں مروان بن حکم نے نذر آتش کردیا، تاکہ مصحف عثمانی میں کوئی شک باقی نہ رہے۔ (علوم القرآن صبحی، تقی)

فائدہ: جمع قرآن کی ذمہ داری اللہ نے خود لی تھی ﴿إن علينا جمعه وقرآنه﴾ ہمارے ذمے جمع کرانا اور پڑھوانا ہے؛ لہٰذا جمع قرآن زبانی ہو یا تحریری یہ من جانب اللہ تھا، ابوبکرؓ کا یہ کام منشائے الٰہی کے موافق تھا۔ رہی یہ بات کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیوں یکجا نہ کیا گیا؟ اس کا جواب حضرت زید بن ثابتؓ کے ارشاد میں موجود ہے۔

''کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع انما لم یجمع القرآن فی المصحف لما کان یترقبہ من ورود نسخ بعض احکامہ وتلاوتہ''۔(مجمع الزوائد)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن ٹکڑوں میں جمع کرتے تھے اور مصحف میں اس لیے جمع نہیں کیا گیا کہ بعض احکام اور تلاوت کے نسخ کا امکان تھا۔(آثار)

جمع قرآن بعہد عثمانؓ:

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں ۲۵ھ کے اندر آرمینیہ آذربائیجان کی سرحد پر عیسائیوں سے ایک جنگ ہوئی، جس میں عراقی اور شامی دونوں فوجیں موجود تھیں، اور دونوں کی قرأت میں اختلاف پایا جاتا تھا۔اختلاف قرأت کی وجہ سے کئی مرتبہ آپس میں جھگڑے کی نوبت آگئی، تو حذیفہ بن یمان نے حضرت عثمانؓ سے آکر عرض کیا کہ آپ مسلمانوں کو یہود ونصاری کی طرح مختلف ہونے سے بچایئے، اور قرآن کو ایک قرأت پر جمع فرمادیجئے، چناں چہ انہوں نے حضرت حفصہؓ کے پاس سے وہ نسخہ منگوایا، اور اس کے مطابق پورے قرآن کو ایک قرأت پر جمع فرمایا۔اس کا مقصد اختلاف قرأت کو دور کرنا تھا مہاجرین اور انصار پر برتری ظاہر کرنا نہیں تھا۔

اس کے لیے انہوں نے چار صحابہ زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص، عبدالرحمٰن بن حارث کو مقرر کیا، اور چار نسخے مرتب کرائے، کوفہ، بصرہ اور شام کے لیے اور ایک اپنے پاس رکھا جس کو المصحف الامام کہا جاتا تھا۔

بعض حضرات نے سات نسخے ذکر کیے، کوفہ، بصرہ، شام، یمن، مکہ، مدینہ اور بحرین لیکن پہلا قول راجح ہے، ۱۱۴ سورتیں تھیں لیکن نقطے اور اعراب کا وجود نہیں تھا جس کی

وجہ سے بعض مقامات میں اختلاف قرأت ہوتا تھا، نقطے اور اعراب ۶۷ھ میں عبداللہ بن زیاد نے لگوائے، بعض نے کہا ۹۵ھ میں حجاج بن یوسف نے لگوائے حضرت عثمان غنیؓ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا مجھے قرآن میں کچھ لحن وغلطیاں نظر آتی ہیں جن کی اہل عرب اصلاح کرلیں گے، اس سے نقطے اور اعراب کے نہ ہونے کی طرف اشارہ تھا۔

(علوم القرآن صبحی)

کاتبین وحی:

خلفاء اربعہ، ابن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ، ابن عمرؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبل، ابو الدرداءؓ، ابو زیدؓ، ابو ایوب انصاریؓ، عبادہ بن صامتؓ، تمیم داریؓ، سالم مولی حذیفہؓ، امیر معاویہؓ، عقبہ بن عامرؓ، سعد بن عبادہؓ، عبداللہ بن ارقمؓ، عبداللہ بن رواحہؓ، ان میں دو بڑے پابند تھے، زید بن ثابتؓ، امیر معاویہؓ بعض حضرات نے ۴۳ تک نام پیش کئے ہیں۔ (آثار)

صحابہ میں جامع قرآن:

صحابہ میں پورا قرآن جمع کرنے والے چار ہیں اور سب کے سب انصاری ہیں ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابو زیدؓ۔ (آثار)

ان چیزوں پر لکھا جاتا:

ادیم (چمڑا) عسیب (شاخ خرما) لخف (سنگ سفید) کتف (اونٹ بکری کی چوڑی ہڈیاں) قتب (پالان کی لکڑیاں) کاغذ، لیکن یہ بہت کمیاب تھا۔

قرآن کی ترتیب:

قرآن کی ترتیب توقیفی اور اللہ رب العزت کی قائم کردہ ہے، حضرت عثمان بن

ابی العاصؓ کہتے ہیں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا، کہ آپ نے فرمایا میرے پاس جبریلؑ آئے تھے اور کہا کہ اس آیت کو فلاں سورت کے فلاں مقام پر رکھیں، یہ آیت ﴿ان اللّٰہ یا مر بالعدل﴾ فلاں سورت اور فلاں مقام پر رکھ لو۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں، جب آیت ﴿واتقوا یوما ترجعون﴾ نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کہا سورۃ البقرۃ کے ۲۸۰ آیت کے بعد لکھ لیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں اور آیتوں اور ان کی ترتیب کی نشاندہی من جانب اللہ ہوتی تھی۔

نیز قرآن سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ جب اللہ نے ﴿ان علینا جمعہ وقرآنہ﴾ فرمایا کہ جمع کرنا ہمارے ذمے ہے تو جمع کرنے میں ترتیب دینا بھی شامل ہے البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اس لئے ملتوی رکھا گیا تا کہ نزول قرآن کی تکمیل ہوجائے۔ اور یہ جمع کا کام اللہ کو صحابہ کرام سے لینا تھا، تا کہ امت کو صحابہ کرامؓ کے تئیں ناقابل تنقید اعتماد قائم ہوجائے، کہ وہی حضرات اس قرآن کے جمع وتدوین کی اساس ہیں، سو وہ صحابہ کس قدر سعادت مند ہیں اللہ نے جن کے ہاتھوں کو جمع قرآن اور ترتیب کے لئے چنا، امام مالکؒ فرماتے ہیں صحابہ نے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اسی طرح مرتب بھی کیا۔ (البرھان)

آیات اور سورت کی تعریف:

سورت یہ سؤر سے بنایا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں باقی کھانا اور پانی۔ چوں کہ سورت بھی قرآن کریم کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس لئے سورت کا نام سورت رکھا گیا۔ بعض اہل لغت فرماتے ہیں یہ سؤر البلد سے بنایا گیا ہے۔ جس طرح شہر کی چہار دیواری شہر کو گھیر لیتی

ہیں،اسی طرح سورت بھی آیات اور حروف کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔لغت میں سؤر کے معنی مرتب کے بھی ہیں۔چوں کہ سورت میں مضامین اور آیات مرتب ہوتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: آیاتِ قرآنیہ کا وہ مجموعہ جو مطلع اور مقطع پر مشتمل ہو۔

قرآن کو سورتوں میں تقسیم کا فائدہ یہ ہے کہ ہر سورت ایک معجزہ بن جائے۔اور تلاوت کرنے والے کو اکتاہٹ نہ ہو۔

آیت کے تین معنی ہیں:(۱)جماعۃ الحروف،اہلِ عرب کہتے ہیں" خرج القوم بآیتھم" (ای بجماعتھم)

(۲)العجب،اہلِ عرب کہتے ہیں آیۃ فی العلم وہ علم میں عجیب ہے،گویا ہر آیت اپنی نظم وترتیب میں عجیب ہے۔

(۳)علامت اور نشانی:اہلِ عرب کہتے ہیں "خربت دار فلان وما بقی منہ آیۃ" ،فلاں کا گھر ویران ہوگیا،اور کوئی نشانی باقی نہ رہی۔آیت کو آیت اس لئے کہتے ہیں کہ ہر آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نشانی ہے۔

اصطلاحی تعریف : کلام الٰہی کا وہ جملہ جو سورت کا جزء ہو۔

قرآنی سورتیں : قرآنی سورتیں چار قسم کی ہیں:

(۱)طوال (۲)مئین (۳)مثانی (۴)مفصل

طوال میں سات سورتیں ہیں :بقرہ،آل عمران ،نساء، مائدہ ،انعام ، اعراف، برأت،انفال کا مجموعہ۔

مئین :جس کی آیات سو سے زائد یا قریب ہوں۔

مثانی : جو مکرر اور بار بار پڑھی جاتی ہیں۔

مفصل: سورۂ حجرات سے آخر تک اور یہ تین حصوں میں منقسم ہے۔

(۱) طوال مفصل: سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک۔

(۲) اوساط مفصل: سورۂ بروج سے لم یکن تک۔

(۳) قصار مفصل: لم یکن سے اخیر تک۔

سورتوں کے نام: سورتوں کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ثابت ہیں، احادیث کی بہت سی روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک مرتبہ فرمایا "اقرا علی سورۃ النساء" مجھے سورۂ نساء پڑھ کر سناؤ، حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں آپ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہو رہے ہیں اور سورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ "من قرا سورۃ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابداً" (مجمع الزوائد) جو سورۂ واقعہ کی ہر شب تلاوت کرے، اسے کبھی فاقہ لاحق نہ ہوگا، اسی طرح سورۂ یٰس کا نام قلب القرآن رکھا۔

سورۂ رحمٰن کا نام عروس القرآن رکھا، ان تمام روایتوں سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ سورتوں کے نام بھی پہلے سے متعین ہیں۔ (آثار)

علامات وقف وضبط، خلیل نحوی اور ان کے شاگردوں نے یہ کام کیا۔

تلاوت میں آسانی پیدا کرنے کے اقدامات:

نقطے اور حرکات لگانے والے صحیح قول کے مطابق ابوالاسود دؤلی ہیں۔ بعض نے حجاج بن یوسف کا نام بتایا۔ اجزاء اور پارے کی تقسیم تلاوت کی آسانی اور مہینے میں ایک مرتبہ قرآن مکمل کرنے کی ایک ترتیب ہے۔ اور رکوع کی تقسیم بھی ایک رکعت میں پڑھنے

کی مقدار متعین کرنا ہے، جو حضرت عثمان غنیؓ سے ثابت ہے۔ احزاب اور منزلوں کی تقسیم حضرات صحابہؓ کے سات دن میں قرآن مکمل کرنے کی ایک ترتیب کی بنیاد پر ہوئی۔ قرآن کریم کی سب سے پہلی طباعت ہیمبرگ مقام پر ۱۱۱۳ھ میں ہوئی ہے۔ جس کا ایک نسخہ اب تک دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔

ربع، نصف، ثلث اور ۳۰ پارے:

اموی خلافت میں یہ کام حجاج بن یوسف نے کئے، اور یہ تقسیم غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث "اقرؤا القرآن في شهر" (کہ قرآن کو ایک مہینے میں مکمل کرو) پر عمل کی آسانی کے لئے کی گئی۔ (مبسوط للسرخسی)

رکوع کی ترتیب:

حضرت عثمان غنیؓ تسلسل کے ساتھ قرآن کو نماز میں تلاوت فرماتے، جہاں مضمون مکمل ہوتا تو رکوع کر لیتے تو لوگوں کے ذہن میں رکوع کے نشانات مرتسم ہو گئے۔

جامعین قرآن نے کوئی تبدیلی نہیں کی:

جامعین قرآن نے قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کی، صحابہ تو اپنی جگہ رہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے بار بار دباؤ کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں کی اور فرمایا:

﴿قل ما يكون لي ان أبدله من تلقئ نفسي﴾ (سورہ یونس)

آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے مناسب نہیں کہ میں اس میں اپنی جانب سے کوئی تبدیلی کروں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تبدیلی نہیں کی تو صحابہ کو کہاں جرأت تھی۔ (آثار)

قرآن مبوب کیوں نہیں:

قرآن کو عام کتابوں کی شکل میں مبوب (باب در باب فصل در فصل) کیوں نہیں مرتب کیا گیا، مثلاً توحید کا باب ہوتا، پھر رسالت، پھر آخرت۔

علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قرآن صرف قانون کی کتاب نہیں جو جزئیات کے ساتھ مرتب ہوتی ہے۔ قرآن تو موعظت بھی ہے، واقعات پر مشتمل ہے، تو قرآن حدود وتعذیرات، اخلاقیات، وعظ وارشاد، پر ہر ایک کو ایسے دلائل کے ساتھ ملا جلا کر پیش کرتا ہے کہ ہر ایک سورت پورے اسلام کی ترجمانی کرے اس لئے نرالی کتاب کا نرالا اسلوب ہے۔(آثار)

محاضرہ (۱۶)

تفسیر کا بیان

تفسیر کے لغوی معنی ہیں واضح کرنا، کھولنا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولا یأتونک بمثل إلا جئنک بالحق وأحسن تفسیرا﴾ (الفرقان)

وہ لوگ جو مضمون آپ کے پاس لائیں تو ہم آپ کے پاس حق اور بہتر وضاحت والی چیزیں لائیں گے۔ اس آیت میں لفظِ تفسیر اپنے معنی لغوی میں استعمال ہوا ہے۔

تفسیر باب تفعیل کا مصدر ہے، اس کا مادہ فسر ہے ضرب اور نصر دونوں بابوں سے مجرد میں استعمال ہوتا ہے، لیکن بعض حضرات نے تفسیر اور فسر کے معنی میں فرق کیا ہے، فسر کے معنی ہیں "کشف المغطی" کسی بھی ڈھکی ہوئی اور پوشیدہ چیز کو کھولنا، اور تفسیر کے معنی ہیں "کشف المراد" کسی معنی اور مراد کو واضح کرنا، معلوم ہوا کہ فسر عام ہے اور تفسیر خاص ہے۔ بعض اہل لغت نے تفسیر کو فسر کے بجائے سفر سے ماخوذ مانا ہے، گویا کہ یہ تفسیر سفر کا مقلوب ہے۔ اور سفر کے معنی بھی واضح کرنا، اور سفر کو بھی سفر اس لئے کہا جاتا ہے کہ سفر میں آدمی کے اخلاق کھل جاتے ہیں۔ (علوم القرآن تقی)

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک شخص نے کسی کی برائی کی تو پوچھا کیا تم اس کے پڑوسی ہو کہا نہیں، پھر سوال کیا کیا تم نے اس کے ساتھ سفر کیا۔ کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر تم اس کے اخلاق کو صحیح طور پر نہیں جانتے ہو۔

اہل عرب کہتے ہیں" سفرت المرأة سفورا" جب عورت اپنے چہرے سے

نقاب کو ہٹادے، اسی طرح ''اسفر الصبح'' کہا جاتا ہے، جب کہ صبح بالکل روشن ہو جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تفسیر یا تو فسر یا سفر سے ماخوذ ہے، اور چوں کہ یہ باب تفعیل کا مصدر ہے، اور تفعیل کی خاصیتوں میں سے ایک خاصیت مبالغہ ہے۔ جیسے قطع کے معنی کاٹنا اور قطّع کے معنی اچھی طرح کاٹنا۔

قرآن میں آیا ہے ﴿یذبّحون ابناء کم﴾ وہ فرعونی تمہارے بیٹوں کو خوب اچھی طرح ذبح کر رہے تھے۔ سورہ یوسف میں ہے ''وغلقت الأبواب'' اس عورت نے دروازہ کو خوب اچھی طرح بند کر لیا اس لئے لفظ تفسیر میں بھی مبالغہ کا معنی پایا جائے گا، یعنی کسی امر کو خوب اچھی طرح واضح کرنا۔

تفسیر کی اصطلاحی تعریف:

علامہ ابوحیان نے ''البحر المحیط'' میں تفسیر کی بڑی جامع تعریف ذکر کی ''هو علم يبحث فيه عن كيفية النطق بألفاظ القرآن ومدلولاتها وأحكامها الافرادية والتركيبية ومعانيهاالتي تحمل عليها في حالة التركيب وتتمات ذالك'' علم تفسیر ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآنی کے نطق کی کیفیت اس کے معنی لغوی اس کے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جائے جن پر ان الفاظ کو ترکیبی حالت میں محمول کیا گیا (یعنی معنی مرادی) اور اس کے تتمات سے۔

کیفیة النطق: سے مراد وجوہ قرأت اور اختلاف قرأت ہے۔

تفسیر میں اس کا جاننا ضروری ہے، چوں کہ بسا اوقات اختلاف قرأت سے پورا مفہوم بدل جاتا ہے۔ مثلاً غلبتِ الروم اور آگے سیَغلبون کے بجائے سیُغلبون کی قرأت ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا رومی اس وقت اہل فارس پر غالب آگئے لیکن

جلد ہی مسلمانوں کے ہاتھوں وہ مغلوب ہوں گے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے زمانے میں رومیوں کو مغلوب کیا۔

مدلولات سے مراد الفاظ کے لغوی معنی ہیں اور افرادی احکام سے مراد صرفی تحقیقات اور ترکیبی احکام سے نحوی تحقیقات مراد ہیں۔

معلوم ہوا کہ الفاظ کے معنی لغوی، نحوی، اور صرفی تحقیقات کا جاننا تفسیر کے لئے ضروری اور لازمی ہے "معانیھا التی تحمل" سے مراد قرآنی الفاظ کے معانی ہیں جو تفسیر کا سب سے اہم عنصر ہے۔

تتمات ذالک سے مراد اسباب نزول، ناسخ اور منسوخ کو جاننا ہے۔

علامہ زرکشیؒ نے تفسیر کی اس طرح تعریف کی: "هو علم يفهم به كتاب الله تعالىٰ وبيان معانيه واستخراج احكامه وحِكَمِهٖ" تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے کتاب اللہ کو سمجھا جائے، نیز اس کے معانی کی وضاحت اس کے احکام اور حکمتوں کا استخراج ہو۔(علوم القرآن)

ایک مختصر تعریف یہ ہے کہ علم تفسیر قرآن کے متعلق اس تحقیق کا نام ہے جس سے مرادِ الٰہی متعین ہو جائے۔

تفسیر و تاویل کا فرق:

علمائے متقدمین کے نزدیک تفسیر اور تاویل دونوں مترادف اور ہم معنی ہیں، اس لیے علامہ طبریؒ بہت سی آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں تاويل هذه الآية، اس سے ان کی مراد تفسیر ہوتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تاویل کو تفسیر کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ حضرت

ابن عباسؓ کو دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، **اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل**" اے اللہ ان کو دین کی فہم عطا فرما اور قرآن کی تفسیر سکھادے۔ لیکن علمائے متاخرین نے تفسیر اور تاویل میں فرق بیان کیا، جس کے سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا "**التفسیر مایتعلق بظاھر الآیۃ، والتاویل مایتعلق بباطن الآیۃ**"۔ یعنی تفسیر وہ ہے جو ظاہر آیت سے متعلق ہو اور تاویل وہ ہے جو باطن آیت سے متعلق ہو۔

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں تفسیر عام ہے جو کسی بھی کتاب اور اس کے الفاظ کی تشریح کے لیے استعمال ہوتا ہے، خواہ آسمانی کتاب ہو یا دوسری، اور تاویل آسمانی کتاب کی تشریح کے لیے خاص ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں: "**التفسیر مایتعلق بالروایۃ، والتاویل ما یتعلق بالدرایۃ** یعنی تفسیر وہ ہے جو روایت سے متعلق ہو، اور تاویل وہ ہے جو درایت اور عقل سے متعلق ہو۔ ابو منصور ماتریدیؒ کی رائے یہ ہے کہ **التفسیر ھو شرح قطعی والتاویل ھو شرح ظنی**. تفسیر قطعی تشریح اور تاویل ظنی تشریح کا نام ہے۔

تفسیر کا صرف جملے سے تعلق ہوتا ہے اور تاویل مفردات اور جملے دونوں کی تشریح کے لیے مستعمل ہے، بعض نے فرمایا جو عبارت قرآن سے معلوم ہوا سے تفسیر کہیں گے اور جو اشارے سے معلوم ہوا سے تاویل کہیں گے۔ (علوم القرآن تقی)

تفسیر کے مآخذ:

تفسیر کے مأخذ (جن چیزوں کی روشنی میں تفسیر کی جاتی ہے) چھ ہیں (۱) قرآن کریم (۲) احادیث صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اقوال صحابہؓ (۴) اقوال تابعین

(۵)لغت(۶)عقل سلیم

قرآن اور حدیث تو تفسیر کے مأخذ کے لیے بہت مشہور ہیں کہ قرآن کی بہت سی آیتوں کی تفسیر خود قرآن کریم کی دوسری آیتوں سے ہوجاتی ہے۔ القرآن یفسر بعضه بعضا، کہ قرآن کا بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے۔

اسی طرح حدیث کے بارے میں بھی یہ بات مسلّم ہے کہ احادیث سے قرآن کی تفسیر ہوتی ہے کیوں کہ قرآن مجمل ہے، احادیث اس کی تفصیل وتشریح ہے، قرآن کی تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں شامل تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿و انزلنا إليک الذکر لتبين للناس﴾ ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اس کو کھول کھول کر بیان کریں (مزید تفصیل آگے آرہی ہے)

اقوال صحابہؓ:

تفسیر کا ایک اہم مأخذ اقوال صحابہ ہے، تفسیر قرآن میں اقوال صحابہ کی بڑی اہمیت ہے، کیوں کہ وہ اہل لسان تھے، عربی الفاظ، محاورات ان کے قوانین سے اچھی طرح واقف تھے، نیز عربوں کے طریقہ زندگی، معاشرت، ماحول، خصوصاً اس معاشرے سے اچھی طرح روشناس تھے جس معاشرے میں قرآن نازل ہوا، اسی کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے علم وعقل کی پختگی، قلب کی صفائی، خشیت الٰہی خوب خوب حاصل تھی، ان سب خوبیوں کے ساتھ ان کی تفسیروں میں نفسانیت کا بالکل دخل نہیں ہوسکتا۔

اس لیے علماء فرماتے ہیں صحابہ کے وہ اقوال جن کا تعلق عقل ودرایت سے نہ ہو حدیث مرفوع کا درجہ رکھتے ہیں، یعنی یہ کہ وہ صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی یہ بات ارشاد فرمارہے ہیں۔

مثلاً حیض کی ۱۰ دن کی مدت کے سلسلے میں حضرت انسؓ کا قول حدیث مرفوع کا درجہ رکھتا ہے، ہاں اگر وہ قول ایسا ہو جس کا تعلق عقل سے ہے تو اس کو حدیث موقوف کا درجہ دیں گے۔ جیسے ابن عمرؓ کا قول بیع سلم کے سلسلے میں کہ رأس المال کی مقدار معلوم ہونا ضروری ہے، یہ مسئلہ عقلی ہے، ہر آدمی عقل سے بھی اس کو سمجھ سکتا ہے۔

(حاشیہ نور الانوار)

اقوال تابعین:

قرآن کریم کی تفسیر میں اقوال تابعین کی بھی بڑی اہمیت ہے، چوں کہ انہوں نے قرآن کی تفسیر صحابہ کرامؓ سے سیکھی۔

حضرات صحابہ کرام میں تین بڑے مفسر تھے: (۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳) حضرت ابی بن کعبؓ۔ ان حضرات کا مستقل مشغلہ تعلیم اور تفسیر قرآن کا تھا۔

بہت سے تابعین نے ان حضرات سے قرآن کی تفسیر سیکھی جن میں مشہور اور سرِ فہرست یہ حضرات ہیں: (۱) حسن بصریؒ (۲) سعید بن مسیبؒ (۳) عطا ابن ابی رباحؒ (۴) مسروقؒ (۵) عکرمہؒ (۶) مجاہدؒ، اس لیے علماء نے ان حضرات کے اقوال کو اقوال صحابہؓ کا درجہ دیا ہے۔

لغت: تفسیر کا ایک اہم مأخذ لغت بھی ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ محض اہل زبان اور عربی داں ہونا قرآن فہمی کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ علماء نے بہت ساری شرطیں ذکر کی ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

کوئی بھی صرف لغات جاننے سے مفسر نہیں ہوسکتا، حضرات صحابہ کرام اہل زبان

تھے، لغات کو اچھی طرح جانتے تھے لیکن بہت سے مقامات کو وہ نہیں سمجھ سکے۔ تفسیر کے ضروری علوم میں اس کی مزید بحث آئے گی۔ (انشاءاللہ)

عقل : عقل بھی تفسیر کا ایک ماٰخذ ہے۔ علماء نے عقل کے ذریعے قرآن سے بہت سارے اسرار و رموز اور نکات نکالے ہیں لیکن اس کے لیے کئی شرائط ہیں۔

(۱) أن يكون صاحب العقل السليم ۔ وہ شخص عقل سلیم رکھتا ہو۔

(۲) أن يكو ن عميقا في العلوم الشرعيه ۔ شرعی علوم کا ماہر ہو۔

(۳) أن يكو ن خاشعا ومنيبا الى الله ۔ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کی طرف رجوع ہونے والا ہو۔

(۴) ان لايكو ن مخالفا للشرع ۔ عقل سے استباط کیے جانے والے اسرار و رموز شرع کے خلاف نہ ہوں۔

محاضرہ (۱۷)

اقسام تفسیر

تفسیر کی چار قسمیں ہیں:

(۱)تفسیر بالروایۃ (۲)تفسیر با لدرایۃ (تفسیر بالرائے)(۳)تفسیر اشاری (۴)تفسیر باطنی (یہ چوتھی قسم کی تفسیر باطل ہے تفصیل آگے آرہی ہے)

(۱)**تفسیر بالروایۃ** : قرآن کریم کی تفسیر نقل اور روایات کے ذریعے کی جائے یہ سب سے عمدہ تفسیر ہے اس کی مشہور چار صورتیں ہیں:

(۱)تفسیر القرآن بالقرآن (۲)تفسیر القرآن بالسنۃ (۳)تفسیر القرآن باقوال الصحابہ (۴)تفسیر القرآن باقوال التابعین۔ اخیر کی دو صورتیں مختلف فیہ ہیں۔

لیکن حق یہ ہے کہ یہ دونوں قسمیں بھی درست ہیں، جیسا کہ ماقبل میں اقوال صحابہ اور اقوال تابعین کی اہمیت بیان کردی گئی۔

تفسیر القرآن بالقرآن کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی جائے۔ چوں کہ قرآن کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں۔ جیسے مثلاً ﴿فتلقی آدم من ربہ کلمٰت فتاب علیہ﴾ آدمؑ نے اپنے رب کی جانب سے چند کلمات اخذ کئے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

اس آیت میں کلمات مجمل ہیں، دوسری آیت سے ان کلمات کی تفسیر ہورہی ہے، جو کہ سورہ اعراف میں ہے۔

﴿قالا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخٰسرين﴾ دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اگر آپ ہم کو معاف کر کے رحم نہیں کریں گے تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوں گے، مذکورہ آیت میں کلمات کی تفسیر آ گئی۔

اسی طرح سورہ مائدہ میں ہے﴿ احلت لكم بهيمة الانعام الا ما يتلى عليكم﴾ تمہارے لئے تمام چوپائے حلال ہیں، مگر جن کی تلاوت کی جائے گی۔

دوسری آیت میں ان حرام چوپایوں کی تفصیل بیان کر دی گئی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿ حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير و ما اهل لغير الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردّية والنطيحة وما أكل السبع إلا ما ذكيتم وما ذبح على النصب وأن تستقسموا بالازلام﴾

اسی طرح کی ایک اور مثال قرآن پاک میں ہے﴿والسماء والطارق﴾ قسم ہے آسمان کی اور رات میں نمودار ہونے والے کی طارق (رات میں نمودار ہونے والا) اس کی تفسیر اگلی آیت میں موجود ہے۔ یعنی "النّجم الثّاقب" وہ شعلہ زن ستارہ ہے جس کا نام "ثریّ" ہے۔

تفسیر القرآن بالسنۃ:

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر احادیث شریفہ سے کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی تفسیر فرمائی۔ قرآن کریم کی تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔﴿ وانزلنا اليك الذكر لتبيّن للنّاس﴾: ہم نے

آپ کی طرف قرآن اتارا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اس کو واضح کریں۔ اس کی چند مثالیں ذکر کی جارہی ہیں۔

"سورۃ انشقاق" میں ہے ﴿فسوف یحاسب حسابا یسیرا﴾ کہ اصحابِ یمین کا حساب آسان ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿حسابا یسیرًا﴾ کی وضاحت فرمائی وھو العرض، وہ اللہ کے سامنے پیشی ہے۔

اللہ کے سامنے صرف پیشی ہوجائے گی، کوئی نقد وجرح نہیں کیا جائے گا۔

﴿غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین﴾ کی تفسیر فرمائی "ھم الیھود والنصاری" وہ یہود ونصاریٰ ہیں ﴿للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ﴾ نیکو کاروں کے لئے جنت اور مزید نعمتیں ہیں۔

مزید نعمت کی تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی "ھو النظر الی وجہ اللہ تعالیٰ" وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے ﴿حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ﴾ نمازوں خصوصاً درمیانی نماز کی پابندی رکھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ الوسطی کی تفسیر عصر کی نماز سے کی ہے، یہ بہت اہم نماز ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے "من فاتتہ صلوۃ العصر فکانما وتر أھلہ وما لہ"۔ (جمع الفوائد) جس کی عصر کی نماز فوت ہوجائے گویا اس کے اہل وعیال اور سارا مال برباد کردیا گیا۔ تفسیر کی یہ دو صورتیں بہت اہم ہیں۔ اس کو تفسیر ماثور بھی کہا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کی شکلیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی جو تفسیر فرمائی اس کی مختلف شکلیں ہیں:

(۱) **تفسیر المجمل**: یعنی جو احکام قرآن کریم کے اندر اجمالاً بیان

کیے گئے ہیں۔جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، صدقۂ فطر، وغیرہ ان سب کی تفصیل اور تشریح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں کردی۔

(۲) **توضیح المشکل**: مشکل الفاظ اور تعبیرات کی وضاحت۔جیسے سورۃ بقرۃ میں سحری کے متعلق ارشادِ باری ہے﴿وکلوا واشربوا حتی یتبیّن لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر﴾ کھاؤ پیو یہاں تک کہ سفید دھاگا کالے دھاگے سے فجر کے وقت واضح ہو جائے۔

اس آیت پاک میں "خیط ابیض" کی تفسیر بیاض النہار (دن کی روشنی) سے کی اور" خیط اسود کی تفسیر سواد اللیل " (رات کی تاریکی) سے کی گئی۔

(۳) **تقیید المطلق** : یعنی کسی مطلق کو مقیّد کر دینا۔جیسے سورۃ مائدہ میں ہے۔﴿والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما﴾ چور اور چورنی کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ایدیھما مطلق ہے جس میں سیدھا اور الٹا دونوں ہاتھ شامل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقطعوا ایما نھما (یعنی سیدھا ہاتھ کاٹو) کہہ کر مقید فرمایا۔

(٤) **تخصیص العام** : یعنی عام کو خاص کر دینا۔جیسے سورۃ انعام میں ہے۔﴿الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون﴾ جو لوگ ایمان لائے اور اس کے ساتھ ظلم (شرک) کی ملاوٹ نہیں کی انہیں لوگوں کے لیے امن ہے اور یہی حضرات ہدایت یافتہ ہیں۔

اس آیت میں ظلم عام ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم کی وضاحت فرمائی الظلم ھو الشرک یعنی ظلم سے مراد یہاں پر شرک ہے۔

(۵) تعیین المعنی المراد : یعنی معنی مرادی کو متعین کرنا۔ جیسے ﴿ولھم فیھا ازواج مطھرۃ﴾ اس آیت میں جنت کی بیویوں کی طہارت اور پاکیزگی سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی۔ "المطھرۃ من الحیض والنفاس والبول والغائط والبزاق والنخامۃ" وہ بیویاں حیض ونفاس، پیشاب پاخانہ، تھوک اور ناک کی ریزش سے پاک ہوں گی۔

(٦) بیان الزائد من الاحکام : یعنی ایسے زائد احکام کو بیان کرنا جو قرآن میں مذکور نہیں۔ مثلاً قرآن کی مختلف آیتوں میں پنج وقتہ نمازوں کا ذکر ہے لیکن وتر کی نماز کا تذکرہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس زائد نماز کا تذکرہ فرما دیا، اسی طرح زکوۃ کا بارہا قرآن میں تذکرہ آیا، لیکن صدقۂ فطر کا ذکر نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زائد مالی عبادت کو حدیث پاک میں ذکر کر دیا۔

فائدہ: واضح ہو کہ بعض مفسرین نے ﴿قد افلح من تزکیٰ وذکر اسم ربہ فصلیٰ﴾ اس کو صدقۂ فطر اور عیدین کی تکبیر پر محمول کیا۔ اس تفسیر کے لحاظ سے صدقۂ فطر کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ لہٰذا اوپر کی مثال اس تفسیر سے ہٹ کر ہے۔

(۷) بیان التاکید: یعنی کسی حکم میں تاکید اور پختگی پیدا کرنے کے لیے جیسے ﴿لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم﴾ اپنے مالوں کو باطل طریقے سے مت کھاؤ مگر تجارت اور آپسی رضامندی سے۔

اس آیت میں تاکید پیدا کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لایحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسہ" کسی مسلمان کا مال بغیر خوش دلی کے حلال نہیں۔

(۸) **بیان النسخ:** یعنی کسی حکم کے منسوخ ہونے کو بیان کرنا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات قرآن کے بعض احکام کے منسوخ ہونے کی وضاحت کے لیے ہیں۔جیسے "لا وصیة لوارث" وارث کے لیے وصیت نہیں۔

یہ ارشاد درحقیقت ﴿ ان ترک خیرا ن الوصیة للوالدین والأقربین بالمعروف﴾ جیسی آیتوں کے منسوخ ہونے کی وضاحت کے لیے ہے،اصل ناسخ تو خود قرآن کی آیت ﴿ یوصیکم اللہ فی اولادکم﴾ الخ جب اللہ نے وارثوں کے لیے میراث کی وصیت فرمادی تو اب کسی وصیت کی ضرورت نہیں۔(التبیان)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کی مقدار:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی وضاحت اپنے ذمہ لی: ﴿ثم ان علینا بیانه﴾ پھر ہمارے ذمہ اس کو واضح کرنا ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی قرآن کریم کی وضاحت کرائی گئی، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب خوب وضاحت فرمائی۔لیکن علماء کے درمیان اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر آیت کی تفسیر صحابہ کے سامنے بیان فرمائی یا بعض اور چند آیتوں کی۔

علامہ ابن تیمیہ اور بہت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ ہر ہر آیت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر فرمائی،ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے

:" ان الصحابة کانوا یتعلمون من النبی صلی اللہ علیه وسلم عشر آیات ولم یتجاوزوها حتی یتعلموا مافیها من العلم والعمل" صحابہؓ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس دس آیتیں سیکھتے تھے اور وہ آگے نہ بڑھتے جب تک دس آیتوں کے متعلق علم اور عمل نہ سیکھ لیتے۔

دوسرا قول علامہ جلال الدین سیوطی کا ہے کہ آپؐ نے پورے قرآن کی تفسیر نہیں فرمائی بل کہ صرف بعض آیتوں کی تفسیر فرمائی ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، حضرت جبرئیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن لے کر نازل ہوئے اور انہوں نے صرف چند آیتیں سکھائیں؛ اس روایت کو اکثر محققین نے نا قابل حجت قرار دیا ہے۔

اور اگر صحیح مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت جبرئیل کے واسطے سے تو صرف چند آیتوں کی تفسیر سکھائی گئی باقی آیات بلا واسطہ اللہ کی طرف سے یا الہام کے ذریعے سکھادی گئیں، بہر حال جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے کل کی تفسیر فرمائی اور نہ بعض اور چند آیتوں کی۔ بل کہ اکثر آیتوں کی تفسیر فرمادی، خصوصاً ان آیتوں کی جن کے سمجھنے میں صحابہ کو کوئی دشواری پیش آسکتی تھی، ایسی وہ آیتیں جو اہل زبان ہونے کی وجہ سے لغت سے سمجھی جاسکتی تھیں، ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے فہم پر چھوڑ دیا۔

محاضرہ (۱۸)

تفسیر بالدرایہ (تفسیر بالرائے)

عقل اور درایت کے ذریعے جو تفسیر کی جائے اسے تفسیر بالرائے اور تفسیر بالدرایہ کہتے ہیں۔ تفسیر بالرائے کے سلسلے میں علماء کی دو جماعت ہیں۔

ایک گروہ مطلقاً عدم جواز اور ممانعت کا قائل ہے، اور ایک گروہ کچھ شرطوں کے ساتھ تفسیر بالرائے کو جائز قرار دیتا ہے۔

مانعین (عدم جواز کے قائلین) کی دلیل یہ ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وان تقولوا علی اللہ مالاتعلمون﴾ یہ کہ تم اللہ کی شان میں ایسی بات کہو جو تم (دلیل شریعت سے) جانتے نہیں ہو۔

(۲) ﴿وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس﴾ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادیا تو عقل و درایت کی کیا ضرورت ہے؟

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من قال فی القرآن برایہ فلیتبوا مقعدہ فی النار". (مشکوۃ) جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے، اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔

(۴) حضرت ابوبکرؓ کا قول ہے "ایُّ سماء تظلّنی وای ارض تقلّنی ان قلت فی القرآن برائي" کون سا آسمان میرے اوپر سایہ کرے گا، کون سی زمین مجھے

اٹھائے گی، اگر میں قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہوں۔

مذکورہ آیت اور احادیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر میں عقل و درایت کی ضرورت نہیں۔

مجیزین (تفسیر بالرائے کے جواز کے قائلین) کی دلیل یہ ہے کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿افلا یتدبرون القرآن﴾ کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں تدبر و تفکر کی دعوت دے رہے ہیں، اور یہ عقل ہی سے ہوگا۔

(۲) ﴿ولیدبروا ایٰته﴾ چاہیے کہ لوگ قرآنی آیات میں تدبر کریں۔

(۳) ﴿لعلمه الذین یستنبطونه منهم﴾ اس آیت میں ذکر ہے کہ لوگ اپنے معاملات کا فیصلہ ایسے لوگوں کو سونپیں جو قرآن کریم سے مسائل کا استنباط کرنے والے ہوں، تدبر و تفکر، اور استنباط، عقل ہی سے ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے سمجھ میں آرہا ہے کہ تفسیر بالرائے جائز ہے اور جمہور علماء اس کے قائل ہیں۔ مگر انہی شرطوں کے ساتھ جو عقل سلیم کے تحت ذکر کی گئیں۔

(۱) ان یکون صاحب العقل السلیم.

(۲) ان یکون عمیقا فی العلم.

(۳) ان یکون خاشعا ومنیبا الی الله تعالیٰ.

(۴) ان لایکون مخالفا للشرع۔

ان شرائط کی روشنی میں جو تفسیر بالعقل ہو وہ محمود ہوگی، ورنہ مذموم ہوگی۔

تفسیر بالرائے کے مخالفین کے دلائل کا جواب:

پہلی آیت ﴿وان تقولو اعلی اللہ الخ﴾ کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق تفسیر بالرائے سے نہیں ہے، بل کہ اس آیت میں اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے متعلق افتراء اور کذب سے منع کیا گیا ہے، جو مشرکین کی عادت تھی۔ قال، یقول کا صلہ جب علی آتا ہے تو اس کے معنی جھوٹ باندھنا، جھوٹ گھڑنا ہوتے ہیں۔

﴿وأنزلنا إليک الذکر لتبين للناس﴾ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تفسیر کی ذمہ داری سونپی گئی، لیکن ساری آیتوں کی نہیں، بل کہ بہت سی باتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام اور امت کے فہم پر چھوڑ دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو عبداللہ بن عباسؓ کو یہ دعا کیوں دی جاتی '' اللهم علمه التاويل '' اے اللہ ان کو قرآن کی تفسیر سکھادے۔

"من قال في القرآن برائه" کا جواب علامہ سیوطیؒ نے دیا کہ جس تفسیر بالرائے کی مذمت بیان کی گئی اس کی پانچ صورتیں ہیں۔

التفسير بالراى على خمسة اقوال:

تفسیر بالرائے کی پانچ شکلیں ناجائز ہیں:

الأول: ''التفسير من غير حصول العلوم التي يجوز منها التفسير'' ان علوم کو حاصل کئے بغیر تفسیر کرنا جو تفسیر کے لیے ضروری ہیں۔

الثاني: تفسير المشابه. دوسرا متشابہات کی تفسیر کرنا۔

الثالث: التفسير المقرر للمذهب الفاسد تیسرا ایک فاسد مذہب طے کرلینا، پھر اس کے مطابق تفسیر کرنا۔

الرابع: أن مراد الله هذا بالقطع من غير دليل چوتھا اللہ کی قطعی

مراد ظاہر کرنا، بغیر کسی دلیل کے اللہ کی مراد متعین کر دینا۔

الخامس: التفسیر بالاستحسان والھویٰ خواہشات نفس کے مطابق تفسیر کرنا۔

بعض علماء فرماتے ہیں جس تفسیر بالرائے سے روکا گیا اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ اپنی پہلی ٹھہری ہوئی رائے کو اصل قرار دینا اور قرآن کو اس پر منطبق کرنا۔

دوسرا ایسی چیزوں میں اپنی عقل دوڑانا جس میں نقل کی ضرورت ہے۔ مثلاً معانی کی تعیین۔ اسباب نزول کی معرفت۔ ناسخ ومنسوخ، قرأت مختلفہ کی معرفت۔

اور حضرت ابو بکرؓ کے قول کا جواب یہ ہے کہ ان کا ارشاد احتیاط اور تقوی کی بنیاد پر ہے۔ قرآن اور شرعی امور میں وہ بہت زیادہ احتیاط کرنے والے اور خائف رہنے والے تھے۔ اس لیے جمع قرآن کے لئے بھی تیار نہیں ہو رہے تھے۔

اور اسی احتیاط وخوف کا اثر ہے کہ آج احادیث کے ذخیرہ میں ان کی مرویات بہت کم ملتی ہیں۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ معتمد، قریبی، اور سب سے زیادہ صحبت سے فائدہ اٹھانے والے ہیں چونکہ فارسی کا مقولہ ہے۔ مقرباں را بیش بود حیرانی۔

(۳) تفسیر اشاری:

تفسیر اشاری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن کی بہت سی آیتوں سے اشارۃً بعض باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جن کو راسخین فی العلم سمجھتے ہیں مثلاً جب ﴿اذا جاء نصر اللہ﴾ یہ سورت نازل ہوئی تو بہت سے صحابہ خوش ہوئے کہ ایک وقت آئے گا کہ لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوں گے، لیکن حضرت عباسؓ یا بروایت دیگر ابو بکرؓ مغموم ہوئے، اور

انہوں نے کہا اس آیت میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے، چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد دین کا عمومی طور پر پھیلانا ہے، اور جب دین عمومی طور پر پھیل جائے گا تو اللہ تعالیٰ آپ کو وفات دے دیں گے، تفسیر اشاری کی بہت سی مثالیں ہیں۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی بغدادیؒ ہر سورت کی تفسیر مکمل ہونے کے بعد "من باب الاشارة في الآيات والسور" قائم کرتے ہیں جس میں تفسیر اشاری ہی کو ذکر کرتے ہیں۔

تفسیر اشاری کے صحیح اور معتبر ہونے کی پانچ شرطیں ہیں۔

(۱) اس تفسیر اشاری کی مراد قرآن کے خلاف نہ ہو۔

(۲) یہ دعوی نہ ہو کہ معنی اشاری ہی مراد ہے۔

(۳) الفاظ قرآنی کی تاویل بعید نہ ہو۔

(۴) الفاظ عربیت کے خلاف نہ ہو۔

(۵) شرع اور عقل کے معارض نہ ہو۔ (تاریخ القرآن)

تفسیر اشاری ہی کا دوسرا نام تفسیر صوفیاء ہے۔

(۴) تفسیر باطنی:

تفسیر کی ایک قسم تفسیر باطنی ہے جو بالکل باطل ہے یہ تفسیر فرقۂ باطنہ کی طرف منسوب ہے۔ فرقۂ باطنہ روافض کی شاخ ہے اور اس فرقہ باطنہ کے چار گروہ ہیں۔

(۱) اسماعیلیہ (۲) قرامطہ (۳) سبعیہ (۴) حرمیہ۔

اسماعیلیہ : یہ فرقہ حضرت امام جعفر صادق کے بڑے لڑکے اسماعیل کی

طرف منسوب ہے۔

قرامطہ : قرامطہ ایک گاؤں کا نام ہے یہ لوگ اسی کی طرف منسوب ہیں۔

سبعیہ : سبعیہ عدد اور گنتی کی طرف منسوب ہے، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر سات کے اوپر ایک امام ہونا چاہئے۔

حرمیہ : یہ حرمت کی طرف منسوب ہے۔ یہ فرقہ ہر چیز میں حرمت کا قائل ہے۔ مگر یہ کہ کوئی دلیل اباحت پائی جائے۔

یہ چاروں فرقے باطل ہیں، اور روافض (شیعی نظریئے) کے حامل ہیں۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن کی اصل تفسیر تفسیر باطنی ہے۔ ظاہر کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

استدلال میں وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں ﴿باطنه فيه الرحمة وظاهره من قبله العذاب﴾

قرآن کے باطن میں رحمت اور ظاہر میں عذاب ہے، اس لئے قرآن کے باطن ہی کو مراد لیا جائے گا، ظاہر کو ہرگز ہرگز مراد نہیں لیا جائے گا۔

ان کے استدلال فاسدہ کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے تفسیر باطنی کو مراد لینا قطعاً صحیح نہیں، اس لئے کہ آیت مذکورہ میں دیوار اعراف کا ذکر ہے، جہاں منافقوں کا نور بجھ جائے گا جس دیوار کے باطنی حصے کی طرف جنت ہوگی، اور ظاہری حصے کی طرف جہنم۔ اس آیت کا تفسیر باطن سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں۔ فرقۂ باطنہ سے قرآن پاک کی بہت سی بے ہودہ تفسیریں منقول ہیں، نمونہ کے طور پر چند تفسیریں ذکر کی جارہی ہیں۔

﴿ولكن الله حبب اليكم الايمان وزينه في قلوبكم وكره اليكم

الکفر والفسوق والعصیان﴾ (حجرات) اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنایا، اور تمہارے دلوں میں اس کو مزین کر دیا اور تمہارے لئے کفر، فسق، عصیان، کو ناپسندیدہ بنایا۔ وہ کہتے ہیں کہ آیتِ مذکورہ میں ایمان سے مراد حضرت علیؓ ہیں، اور کفر، فسق، عصیان سے (نعوذ باللہ من ذلک) حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ہیں۔

(۲)﴿ویقول الکفر یلیتنی کنت ترابا﴾ کافر کہیں گے کاش ہم مٹی ہوتے، جب قیامت کے دن جانوروں کو بھی زندہ کر کے قصاص دلوایا جائے گا، قصاص اور بدلہ ہو جانے کے بعد جانوروں سے کہا جائے گا، مٹی ہو جاؤ اس لئے کہ تم کو جنت اور جہنم میں داخل ہونا نہیں ہے۔ اس وقت کافر بھی مٹی ہونے کی تمنا کریں گے لیکن فرقۂ باطنہ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں، کافر قیامت کے دن کہیں گے اے کاش میرا تعلق ابوتراب (حضرت علیؓ) سے ہوتا۔

(۳)﴿الذی جعل لکم من الشجر الأ خضر نا را﴾ جس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ نکالی، عرب میں مرخ اور عفار نامی مسواک کے برابر درخت تھے، دونوں سے گیلی لکڑی کاٹتے، اور جب اس کو رگڑتے تو آگ نکل آتی، یہ آیت کی صحیح تفسیر ہے، لیکن فرقۂ باطنہ کہتا ہے کہ شجرۂ اخضر سے مراد حضرت ابراہیمؑ اور نار اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے، اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کے کہنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔

تفسیر اشاری اور تفسیر باطنی میں فرق:

تفسیر اشاری میں ظاہری معنی کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے مماثل مناسب اشیاء کا تذکرہ کیا جاتا ہے، تاکہ پروازِ ذہن وسیع ہو، اس تفسیر سے انکار اسلام لازم نہیں آتا، اور

یہی مطلب ہے اس حدیث کا" انزل القرآن علی سبعة احرف لکل آیة ظهر وبطن" (مجمع الزوائد: ۷/ ۲۲۹) ہر آیت کا ایک ظاہر اور باطن ہے۔

لیکن تفسیر باطن میں قابلِ غور باطنی معنی ہی کو اصل اور مراد قرار دیتے ہیں۔ اور ظاہری معنی کا بالکل انکار کرتے ہیں۔ جیسے "لایدخل الملائکة بیتا فیه کلب او تصاویر" اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو، اصل معنی حدیث کو مراد لینے کے ساتھ ساتھ اگر یہ کہا جائے کہ بیت سے مراد دل، اور تصویر، اور کتے سے مراد اخلاق بہیمانہ ہے، یعنی جس دل میں برے اخلاق ہوں اس دل میں فرشتے داخل نہیں ہوتے، یہ تو صحیح ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث کتا اور تصویر پر بالکل محمول نہیں۔ بل کہ مراد صرف اور صرف کتے والے صفات ہیں، اور ظاہری معنی بالکل مراد نہیں تو غلط ہوگا۔ فرقۂ باطنہ آیات اور احادیث کی تشریح اسی طرح کرتے ہیں کہ ظاہری معنی محرف اور ختم ہو جائیں، اور تفسیر اشاری والے دونوں معنی کو مراد لیتے ہیں۔

اسی طرح قصۂ بنی اسرائیل میں اللہ نے حکم دیا ﴿ان تذبحوا بقرة﴾ گائے ذبح کرو، فرقۂ باطنہ کہتا ہے کہ یہاں گائے بالکل مراد نہیں، بل کہ نفس بہیمیہ مراد ہے یعنی نفس بہیمیہ کی شہوتوں کو ختم کرو۔

تفسیر اشاری، تفسیر صوفیا سے مشہور ہے، یعنی صوفیائے کرام ہی تفسیر اشاری کرتے ہیں۔

محاضرہ (۱۹)

تفسیر کے لیے ضروری علوم

قرآن کریم کی تفسیر کے لیے پندرہ علوم میں مہارت ضروری ہے۔

(۱) علم لغت (۲) علم نحو (۳) علم صرف (۴) علم اشتقاق (۵) علم معانی (۶) علم بیان (۷) علم بدیع (۸) علم حدیث (۹) علم عقائد (۱۰) علم اصول فقہ (۱۱) علم قرأت (۱۲) علم سبب النزول (۱۳) علم القصص والتاریخ (۱۴) علم الناسخ والمنسوخ (۱۵) علم الموہبۃ۔

(۱) **علم لغت:** قرآن کریم کی تفسیر کے لیے سب سے اہم اور بنیادی چیز علم لغت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہدؒ فرماتے ہیں" **من کان یؤ من باللہ والیوم الآخر فلا یتکلمنّ فی القرآن الا ان یکون عالما باللغۃ**" جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ ہرگز قرآن کے بارے میں کوئی گفتگو نہ کرے مگر یہ کہ وہ لغت کا عالم ہو۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ محض لغت کی واقفیت کافی نہیں، بل کہ اس میں مہارت ضروری ہے۔ لہٰذا چند الفاظ اور اس کے معانی یاد کر لینے کے بعد کوئی تفسیر کا حق نہیں رکھتا، بل کہ عربی الفاظ کے تمام معانی کا علم ضروری ہے۔ اگر کوئی مشترک لفظ ہے تو اس کے سارے معانی کا جاننا ضروری ہے۔ ورنہ قرآن فہمی میں غلطی واقع ہونے کا قوی امکان ہے۔

مثلاً سورہ رحمٰن کی ایک آیت میں ﴿والنجم والشجر یسجدان﴾ میں ہے لفظ نجم جس طرح ستارے کے لیے مستعمل ہے اسی طرح بے تنہ دار درخت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت میں یہی دوسرا معنی مراد ہے۔

اسی طرح سورہ نحل میں ﴿او یاخذھم علیٰ تخوف﴾ آیا ہے، تخوف کے معنی

جس طرح خوف دلانے اور ڈرانے کے ہیں اسی طرح تنقص اور کمی کرنے کے بھی ہیں، اور آیت میں یہی مراد ہے۔

﴿یصلح لکم أعمالکم ویغفر لکم﴾ سورہ احزاب کی اس آیت میں یصلح کا ایک مشہور معنی ہے، درست کرنا، دوسرا معنی قبول کرنا، اور مفسرین نے دوسرے معنی کو ترجیح دی۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اگر کوئی الفاظ کے سارے معانی کو نہیں جانتا ہے تو یقیناً بہت سارے مواقع میں اس سے غلطیاں واقع ہوں گی۔

(۲) **علم نحو:** تفسیر کے لیے نحو کی معرفت بھی ضروری ہے۔ اگر قواعد نحویہ کا علم نہ ہو تو صحیح اعراب اور ترکیب کا علم نہ ہوگا، اسی لیے علم نحو کا دوسرا نام علم الاعراب والترکیب بھی ہے۔ اعراب وترکیب کی عربی کلام میں ایسی اہمیت ہے کہ اس کے سبب معانی میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، اور بسا اوقات ایسی تبدیلی ہو جاتی ہے جو آدمی کو کفر تک پہنچا دیتی ہے، مثلاً ﴿ وإذ ابتلیٰ ابرٰھم ربه﴾ یاد کرو اس وقت کو جب کہ ابراہیم کو ان کے رب نے آزمایا۔

اس آیت میں اگر کوئی ابراہیم پر رفع اور ربہ پر نصب پڑھ دے تو یہ فسادِ معنی کفر تک پہنچانے والا گا۔ لہذا مفسر کے لیے نحوی مہارت بھی ضروری ہے۔

(۳) **علم صرف:** اس علم کے ذریعے صیغوں کی شناخت، ابواب کی خاصیات اور واحد وجمع کا علم ہوتا ہے۔ اگر کوئی مفسر اس علم سے واقف نہ ہو تو وہ قرآن کی تفسیر میں بڑی غلطی کر بیٹھے گا۔ مثلاً ﴿اولٰمستم النساء﴾ یہ لمس کے معنی چھونے کے ہیں لیکن باب مفاعلت میں لامستم کے معنی ہیں جماع کرنا، مفاعلت کی خاصیت مشارکت ہے، ایک دوسرے کو چھونا اور یہ حالت جماع میں ہوتا ہے، جماع موجبات غسل

میں سے ہے اور یہی آیت میں مراد ہے۔ اگر ابواب کی خاصیت ذہن میں ہو تو مس امرأۃ کو ناقض وضو قرار دینا پڑے گا۔

اسی طرح ﴿وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین﴾ اس آیت میں فدیہ صیام کا ذکر ہے جو لوگ روزے کی طاقت نہیں رکھتے ان کے لیے ایک مسکین کے کھانے کے برابر فدیہ ہے یطیقونه کا ترجمہ طاقت نہ رکھنے سے کیا گیا یہ باب افعال کی خاصیت کا اثر ہے، باب افعال کی خاصیت سلب مأخذ ہے یعنی مادے کے معنی کو سلب کر لینا۔ اگر یہ خاصیت مفسر کے ذہن سے غائب ہو تو دوسری بے جا تاویلیں کرنی پڑیں گی، یا نسخ کا قائل ہونا پڑے گا۔

اسی طرح آیت ﴿یوم ندعوا کل اناس بامامهم﴾ بعض حضرات نے اس کی تفسیر کر دی کہ قیامت کے دن ہم لوگوں کو ماؤں کے نام سے پکاریں گے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ امام ام کی جمع ہے، جب کہ یہ بہت بڑی غلطی ہے، حالانکہ یہاں امام سے مراد نامۂ اعمال ہے۔ چوں کہ لغت میں امام ہر اس شیء کو کہا جاتا ہے جس کی تقلید کی جائے، قیامت کے دن نامۂ اعمال کی بھی تقلید کی جائے گی اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ ہوگا۔

(٤) **علم اشتقاق:** تفسیر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کون سا لفظ کس مادہ سے بنایا گیا، مثلاً حضرت عیسیٰ کا لقب مسیح یہ مسح سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ہاتھ پھیرنا، وہ مریضوں پر ہاتھ پھیر دیتے تھے، جس سے شفاء حاصل ہو جاتی تھی، مسیح سیاحت سے مشتق نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو دھوکہ ہوا، اور لقب کی وجہ یہ لکھ دی کہ عیسیٰ بہت زیادہ سیر و سیاحت کرتے تھے اس لئے ان کو مسیح کہا جاتا ہے۔

اسی طرح ﴿ الحمد لله الذی احلنا دار المقامة من فضله ﴾ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو ہمیشہ رہنے کی جگہ پر اتارا۔

احلنا یہ حلول سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں، اتارنا، نازل کرنا، حل سے مشتق نہیں ہے جس کے معنی ہیں حلال ہونا۔ واقعۂ ابراہیم میں ﴿فجاء بعجل سمین﴾ آیا ہے۔ کہ وہ فوراً مہمانوں کے پاس فربہ بچھڑا لے آئے، سمین سمن سے مشتق ہے، جس کے معنی موٹاپے کے ہیں، بعض علماء حضرات کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے یہ کہا کہ سمین سمن سے بنایا گیا ہے جس کے معنی گھی کے ہیں، یعنی گھی میں تلا ہوا بچھڑا لے کر آئے، اس طرح کی تمام غلطیاں علم اشتقاق سے ناواقفیت پر ہوتی ہیں۔

(۵) علم معانی، بیان، بدیع: یہ تینوں علوم بلاغت وفصاحت سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ظاہر ہے کہ اگر مفسر کو ان علوم میں مہارت نہ ہو تو وہ قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت کا ادراک نہیں کر سکے گا، اور اس کے معیار کو نہیں سمجھ سکے گا۔ جب کہ قرآن کے وجوہ اعجاز میں اصل وجہ اعجاز یہی ہے کہ قرآن کریم فصاحت وبلاغت کی ایسی خصوصیات پر مشتمل ہے جو حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہیں، کہ اس جیسا فصیح وبلیغ کلام پیش کرنے سے عرب کے بڑے بڑے ادباء وشعراء عاجز رہے۔

(۶) علم حدیث: علم حدیث کی تفسیر اور تفصیل ماقبل میں گزر چکی کہ تفسیر قرآن میں احادیث کا بہت بڑا دخل ہے۔

(۸) علم قرأت: قرآن کریم کی تفسیر کے لیے ہے علم قرأت اور اختلاف قراءت کا بھی جاننا ضروری ہے اس لیے کہ بہت ساری آیتوں کی تفسیر کا مدار اختلاف قرأت پر ہے، مثلاً ﴿فاقطعوا ایدهما﴾ کی دوسری قرأت ﴿فاقطعوا ایمانهما﴾

ہے اس قرأت سے ایدی کی تفسیر ہوگی کہ چور اور چورنی کا سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا، یہ دوسری قرأت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ثابت ہے۔

اسی طرح کفارۂ یمین کے سلسلے میں ﴿ فصیام ثلثة ایام﴾ کے بعد دوسری قرأت میں متابعات کی قید ہے، جس سے تفسیر ہوگئی کہ قسم کے کفار کے روزے میں تتابع اور تسلسل کی قید ہے یہ قرأت حضرت ابی بن کعبؓ سے ثابت ہے۔

اختلاف قرأت جاننے کا ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے قرآن کریم کے اسرار ورموز کھلتے ہیں، جیسے ﴿غلبت الروم فی ادنی الأرض وهم من بعد غلبهم سیغلبون﴾ اس آیت میں غلبت ماضی مجہول ہے۔

اور سیغلبون مضارع معروف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ رومی ابھی اہل فارس سے مغلوب ہوگئے لیکن عنقریب وہ اہل فارس پر چند سالوں میں غالب آجائیں گے۔

چناں چہ ٹھیک غزوۂ بدر کے دن اللہ نے رومیوں کو بھی غلبہ نصیب فرمادیا، لیکن ایک دوسری قرأت میں غلبت ماضی معروف ہے اور سیغلبون مضارع مجہول ہے اس صورت میں ایک نکتہ حاصل ہوجائے گا کہ رومی ابھی تو اہل فارس پر غالب آگئے، لیکن جیسے مشرکین ایمان والوں کے ہاتھوں مغلوب ہوئے، اسی طرح عنقریب رومی بھی صحابہؓ کے ہاتھوں مغلوب ہوں گے۔

(۹) علم اسباب النزول:

علم اسباب النزول کی تفصیل ماقبل میں شان نزول کے تحت گزر چکی ہے۔

(۱۰) **علم عقائد**: اس کا دوسرا نام علم کلام بھی ہے۔ مفسر کے لیے صحیح

عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات سے متعلق، حضرات انبیائے کرام کے متعلق کیسا عقیدہ رکھنا چاہیے۔

اگر عقائد صحیحہ کا علم نہ ہو تو تفسیر میں بڑی غلطیوں کا قوی امکان ہے، جیسا کہ مودودی صاحب سے تفسیر میں بڑی بڑی غلطیاں واقع ہوئیں، ان کو معلوم نہیں کہ اللہ اور پیغمبروں کے متعلق کیسا عقیدہ رکھنا چاہئے، اور سلف صالحین سے کیسا عقیدہ ثابت ہے۔

اسی طرح جس شخص کو یہ عقیدہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم وجسمانیات سے پاک ہیں، مکان وجگہ کے محتاج نہیں تو وہ ﴿استوی علی العرش﴾ کی غلط تفسیر کردے گا کہ "استوی علی العرش" سے مراد عرش پر جم کر بیٹھنا ہے، جیسا کہ بعض علماء سے اس طرح کی تفسیر منقول ہے۔

پیغمبروں کے متعلق جس شخص کو عقیدہ عصمت کا علم نہ ہوگا کہ پیغمبر گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں، وہ پیغمبروں کی طرف بلا جھجک گناہوں کی نسبت کردے گا، جیسا کہ مودودی صاحب نے حضرت یونس علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی طرف گناہوں کی نسبت کردی، بل کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے شرک میں مبتلا ہوگئے تھے۔

(۱۱) **علم اصول فقہ:** مفسر کے لیے اصول فقہ کا جاننا اس لیے ضروری ہے تاکہ مسائل کے استنباط میں غلطی واقع نہ ہو۔ اگر مفسر خاص، عام، مشترک، مؤول، عبارۃ النص، دلالت النص، ان سب کی تعریف ان کے مقام قطعیت اور ظنیت کو نہیں جانتا تو وہ مسائل کا صحیح استنباط ہرگز نہیں کرسکتا۔

(۱۲) **علم القصص والتاریخ:** قرآنی قصوں کی تفسیر اور واقعات کی

تاریخ جاننا ضروری ہے، تاکہ ان قصوں کے بیان کرنے میں تاریخی غلطیوں سے بچا جائے۔مثلاً صلح حدیبیہ کس سنہ میں واقع ہوئی، فتح مکہ کب ہوا اور دیگر غزوات کب واقع ہوئے۔اسی طرح انبیاء کرام کے قصے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ان قصوں کا صحیح علم ہو، ورنہ بسا اوقات اسرائیلی روایات یا دشمنان اسلام کی غلط روایتوں کو ذکر کر بیٹھے گا۔

(۱۳) **علم الناسخ والمنسوخ** : ایک مفسر کے لیے ناسخ ومنسوخ کا جاننا بھی ضروری ہے، کہ قرآن کریم کی کون کون سی آیتیں منسوخ ہیں۔اور منسوخ کرنے والی آیات یا احادیث کون کون سی ہیں۔اگر ناسخ ومنسوخ کا علم نہ ہو تو ممکن ہے کہ منسوخ حکم کے بارے میں کوئی فتویٰ دے دے۔

مثلاً، سورۂ براءت کی آیت: ﴿ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی کتٰب اللّٰه یوم خلق السمٰوٰت والارض منها اربعة حرم﴾۔اللہ کے نزدیک اس کے نوشتے میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جب سے اس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔ ان میں چار مہینے حرمت کے ہیں۔

اگر کوئی شخص ان چار مہینوں میں قتال کی حرمت کے منسوخ ہونے کا علم نہیں رکھتا تو وہ آج بھی فتوی دے دے گا کہ چار مہینے (رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) میں قتال حرام ہے۔

اسی طرح ﴿ان ترک خیر نالوصیة للوالدین والأقربین﴾ کہ رشتہ داروں اور والدین کے لیے وصیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔اگر کوئی مفسر اس کا علم نہ رکھتا ہو تو وہ اس کا فتوی دے دے گا۔

(۱٤) **علم الموهبة**: ایک مفسر کے لیے علم الموہبہ بھی ضروری ہے۔

علم موہبت عطائی اور وہبی علم کو کہا جاتا ہے جو اللہ اپنے بندے کو عطا کرے۔ لیکن اس پر اشکال ہے کہ نحو، صرف اور دیگر علوم تو اختیاری اور کسبی ہیں۔

آدمی محنت کر کے حاصل کر لے۔ علم الموہبت آدمی کے اختیار میں نہیں ہے، پھر اس کی شرط کیوں لگائی گئی؟ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ علم الموہبت تو اختیاری نہیں لیکن اس کے اسباب اختیاری ہیں، کہ آدمی تقوی اور پرہیزگاری اختیار کرے تو اللہ اپنا علم عطا فرما دیتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿واتقوا الله ويعلمكم الله﴾ اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں سکھا دے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے "من عمل بما عَلِمَ ورّثه اللّٰه بما لم يعلم" (الاتحاف للزبیدی: ۱/۴۰۳) جو شخص اپنی جانی ہوئی باتوں پر عمل کرے گا اللہ اسے ایسی باتیں سکھا دیں گے جو وہ جانتا نہیں ہے۔

صحابہ میں اساتذۂ تفسیر

صحابہ کرامؓ میں تین حضرات تفسیر کے ماہر اور اساتذۃ التفسیر کہلاتے ہیں۔
(۱) ابن عباسؓ (۲) ابن مسعودؓ (۳) ابی بن کعبؓ۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے مکہ مکرمہ کے اندر تفسیر کا سلسلہ جاری فرمایا۔ وہاں ان کے بہت سے شاگرد ہوئے۔ لیکن مشہور شاگرد پانچ ہیں جن کے اقوال تفسیر کی کتابوں میں ملتے ہیں۔

(۱) مجاہد بن جبر مکی (۲) عکرمہ (۳) سعید ابن جبیر (۴) طاؤس بن کیسان یمانی (۵) عطاء بن ابی رباح۔

یہ سب کے سب ثقہ اور معتمد ہیں صرف عکرمہ کے بارے میں کچھ حضرات نے جرح کی ہے لیکن ان حضرات کا جرح کرنا صحیح نہیں، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ سب کے سب آزاد شدہ غلام تھے، لیکن اللہ نے قرآن کی برکت سے اتنے اونچے مقام پر پہونچادیا۔ ان حضرات میں سب سے زیادہ معتمد مجاہد بن جبر ہیں۔ اسی لیے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب التفسیر میں صرف انہی کی روایات لی ہیں، سفیان ثوریؒ کا قول ہے، جب قرآن کے بارے میں مجاہدؒ کا قول آجائے تو وہی کافی ہوتا ہے۔

عطاء نام کے چار بزرگ گزرے ہیں:

(۱) عطاء بن ابی رباح (۲) عطاء بن یسار (۳) عطاء بن سائب (۴) عطاء خراسانی، ان میں معتمد اور ثقہ صرف شروع کے دونوں حضرات ہیں۔ باقی دونوں مختلف فیہ ہیں، اور جب عطاء مطلق بولا جائے تو اس سے عطاء بن ابی رباح ہی مراد ہوتے ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ نے عراق میں درس تفسیر کا سلسلہ جاری فرمایا، وہاں ان کے بہت سے شاگرد ہوئے، مشہور شاگرد چھ ہیں۔

(۱) علقمہؒ (۲) مسروق ہمدانیؒ (۳) مرہ ہمدانیؒ (۴) حسن بصریؒ (۵) عامر شعبیؒ (۶) قتادہ بن عامرؒ۔ یہ سب کے سب ثقہ اور معتمد ہیں سوائے مرہ ہمدانی کے، چوں کہ وہ سدی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں جو ضعیف اور مجروح ہیں۔

اور ابن مسعود کے شاگردوں میں سب سے زیادہ معتمد حضرت علقمہ اور حسن بصری ہیں۔ امام جعفر صادق جو امام ابوحنیفہ کے شیخ ہیں، ان کا قول حسن بصری کے بارے میں ہے۔ کلامہ کلام الانبیاء ان کی گفتگو انبیاء کرام کی گفتگو کی طرح ہوتی ہے۔ چوں کہ انہوں نے نبی کے گھرانے یعنی (حضرت ام سلمہؓ) کا دودھ پیا ہے۔

عامر شعبی بھی بہت معتمد ہیں لیکن احتیاط اور خشیت کے غلبہ کی وجہ سے روایت کم کرتے ہیں۔

تفسیر کے تیسرے استاذ حضرت ابی بن کعبؓ ہیں، جنہوں نے مدینہ منورہ (زادها الله شرفا و كرامة) میں درس تفسیر کا سلسلہ جاری فرمایا، وہاں ان کے تین مشہور شاگرد ہوئے۔

(۱) ابوالعالیہ (۲) محمد بن کعب قرظی (۳) زید بن اسلم یہ حضرت عمرؓ کے آزاد شدہ غلام ہیں۔

تینوں معتمد ہیں سوائے زید بن اسلم کے، کہا جاتا ہے کہ ان کا حافظہ کمزور تھا۔ (علوم القرآن تقی)

سات مفسرین مختلف فیہ اور ضعیف ہیں:

(۱)سدی کبیر (۲) سدی صغیر (۳)مقاتل بن سلیمان(۴)ربیع بن انس(۵)عطیہ العوفی(۶)عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم(۷)محمد بن سائب کلبی۔

سدی کبیر ان کا اصل نام سلیمان بن عبدالرحمٰن ہے اور ۱۲۷ھ میں وفات ہے۔

سدی صغیر ان کا اصل نام محمد بن مروان ہے یہ دونوں کوفہ کے رہنے والے اور ہم عصر ہیں کوفہ کی جامع مسجد کے چبوترے پر اوڑھنی اور دوپٹے بیچتے تھے، اس لیے سدی سے مشہور ہو گئے۔

سد کے معنی چبوترے کے ہیں، امام شعبیؒ کے سامنے ایک مرتبہ سدی کبیر کا تذکرہ ہوا تو ایک شخص نے تعریف کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اس کو قرآن کے علم کا بڑا حصہ ملا ہے۔ امام شعبی نے رد کرتے ہوئے فرمایا(قد اوتی جهلا كبيرا من القرآن) قرآن کریم کے بارے میں اسے بڑی جہالت دی گئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سدی صغیر کے بارے میں فرماتے ہیں(ليس بثقة ولامعتمد عليه)وہ ثقہ اور معتمد نہیں ہے۔ سدی صغیر کے بارے میں ایسے ہی اقوال علامہ جوزیؒ سے منقول ہیں، سدی کبیر کے بارے میں ایک بات اور مشہور ہے(كان شتاماً لابی بكرؓ) کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کی شان میں گستاخی کرتا تھا، اس لیے بالاتفاق یہ دونوں غیر ثقہ، غیر معتمد اور ضعیف ہیں۔

مقاتل بن سلیمان تفسیر کے باب میں مقاتل نام کی دو شخصیتوں کا تذکرہ ملتا ہے (۱)مقاتل بن حبان (۲)مقاتل بن سلیمان، مقاتل بن حبان معتبر اور ثقہ ہیں مقاتل بن سلیمان ضعیف، کمزور اور غیر ثقہ ہیں۔

۴،۵ ربیع بن انس اور عطیہ العوفی دونوں کے اوپر تشیع کا الزام ہے۔ عطیہ عوفی تو

غالی شیعہ تھا، اس کی وفات ۱۱۱ھ میں ہوئی۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم، یہ بہت صلاح وتقوی والے تھے اور کسی باطل فرقے کی طرف انتساب بھی ثابت نہیں لیکن حافظے کے اعتبار سے بہت کمزور تھے اس لیے مفسرینؒ نے ان کے قول کا اعتبار نہیں کیا ہے، یہی حال ان کے والد اور تمام بھائیوں کا تھا۔

محمد بن سائب کلبی، بصرہ کے رہنے والے تھے قبیلہ کلب سے تعلق تھا اس لیے کلبی سے مشہور ہوئے، بڑا کذاب اور جھوٹا تھا، معتمر بن سلیمان کہتے ہیں کہ بصرہ کے اندر دو بڑے جھوٹے تھے ایک محمد بن سائب دوسرا محمد بن سلیمان۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ خود مجھ سے کلبی نے بیان کیا جتنی روایتیں میں نے حضرت ابن عباسؓ کی سند سے ذکر کی ہیں وہ سب جھوٹی ہیں، ایک کتاب ہے تفسیر بن عباس وہ محمد بن سائب کلبی سے روایت ہے، اس لیے اس کتاب پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

تفسیروں میں اسرائیلی روایات

اسرائیلیات کا لفظ بولا جائے تو اس سے یہود و نصاری کے اقوال و افعال اور ان کی تہذیبیں مراد ہوتی ہیں۔ اسرائیلیات کا لفظ گرچہ یہود کے ساتھ خاص ہے لیکن مفسرین کی اصطلاح میں تغلیباً نصاری بھی شامل ہوتے ہیں۔

قرآن کریم نے بہت سے قصوں کو اجمالاً ذکر کیا ہے چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قصوں کے ضروری اجزاء کو ذکر کرتے ہیں، اسی لئے قرآن کریم کے قصوں میں تکرار بھی نظر آتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے قصہ کے جس جزء کو بیان کرنا مناسب سمجھا ذکر فرمادیا، اور قرآن کریم کے یہی قصے تورات وانجیل میں کچھ تفصیل کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔

اس لئے بعض مرتبہ صحابہ اہل کتاب سے ان قصوں کی تفصیل دریافت کیا کرتے تھے، لیکن صحابہ صرف قصوں کی تفصیل پوچھتے تھے، اپنے مذہبی احکام کے بارے میں ان سے کچھ دریافت نہیں کرتے تھے، نیز ان کی باتوں پر کبھی صحابہ نکیر اور اعتراض بھی کیا کرتے تھے، ان کی ہر بات کو تسلیم نہیں کرتے، اس طرح یہ باتیں تفسیروں میں داخل ہوگئیں لیکن یہ واضح رہے کہ صحابہ میں کسی نے ان باتوں کو تفسیروں میں شامل نہیں کیا بل کہ حضرات تابعین کے دور سے یہ سلسلہ شروع ہوا۔

اسرائیلی روایات کی بنیاد:

تمام اسرائیلی روایات کی بنیاد چار اشخاص پر ہے: (۱) حضرت عبداللہؓ بن سلام (۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۳) کعب احبار (۴) وہب بن منبہ۔ اول

الذکر دونوں صحابی ہیں آخر الذکر دونوں تابعی ہیں۔

(۱) **عبداللہ بن سلام**: یہود کے بڑے جلیل القدر عالم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت مدینہ کے بعد ہی ایمان لے آئے تھے، بڑے عالم ہونے کے باوجود ان کی روایتیں بہت کم ہیں۔

(۲) **عبداللہ بن عمرو بن العاص**: صحابہ میں سب سے زیادہ اسرائیلی روایات ان سے مروی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے سریانی زبان سیکھی اور ان کی کتابوں کا خوب مطالعہ کیا اور جنگ یرموک کے موقعہ پر اہل کتاب کی بہت سی کتابیں ان کے ہاتھ لگیں۔

(۳) **کعب احبار**: ان کا پورا نام کعب بن مانع ہے، احبار حبر کی جمع ہے یہود کے بڑے عالم ہونے کی وجہ سے ان کو احبار کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ انہوں نے پایا لیکن ایمان نہ لا سکے، حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ۱۲ھ میں ایمان لائے انہوں نے اپنے ایمان کا قصہ خود اس طرح بیان کیا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، لیکن میرے والد یہود کے بڑے متعصب اور متشدد عالم تھے۔ انہوں نے مجھے توریت کا تحریف شدہ نسخہ دے دیا اور کہا کہ اس کے علاوہ کسی اور کتاب کا مطالعہ نہ کرنا، باقی کتابوں کو انہوں نے صندوق میں مقفل کر دیا، والد کی وفات کے بعد میں نے صندوق کھولا اور ان کتابوں کا مطالعہ شروع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا ایمان و یقین بڑھتا چلا گیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی تو حضرت عمرؓ کے پاس جا کر میں نے اسلام قبول کیا۔

ان سے اسرائیلی روایات بہت زیادہ ہیں اور اکثر علماء ان کو ثقہ اور معتمد قرار

دیتے ہیں، صرف شیخ عبد الفتاح ابوغدہ کے استاذ شیخ زاہد کوثری ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ جس کی بنیاد ایک روایت ہے کہ جب حضرت عمر نے بیت المقدس کو فتح کیا تو بیت المقدس کے پاس ایک اور مسجد بنانے کے سلسلے میں صحابہ سے مشورہ کیا کہ وہ مسجد صخرہ سے آگے بنائی جائے یا صخرہ سے پیچھے (صخرہ اس مقام کا نام ہے جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر معراج پر تشریف لے گئے تھے)

تو کعب احبار نے کہا کہ صخرہ سے پیچھے بنائی جائے، حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ تم سے یہودیت کی بو نہیں گئی، اس کے بعد ہی سے دونوں کے تعلقات خراب ہو گئے۔ مؤرخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ عمرؓ کے قتل کی سازش میں یہ بھی شامل تھے۔

(٤) **وھب بن منبہ:** یہ بھی تابعی ہیں۔ حضرت عثمان کے خلافت کے زمانے میں ایمان لائے۔ ان کے والد صحابی ہیں۔ ١١٠ھ میں وفات ہوئی۔ ان سے بھی اسرائیلی روایات بہت ہیں۔ ان کو بعض مفسرین ضعیف قرار دیتے ہیں۔

اسرائیلی روایات کا حکم:

اسرائیلی روایات کی تین قسمیں ہیں:

(١) وہ روایات جو قرآن وحدیث کے موافق ہوں، جیسے غرق فرعون کا قصہ۔ جادوگروں کے مقابلہ کا قصہ۔ تخلیق آدم علیہ السلام۔ یہ روایتیں معتمد ہوں گی۔ اور ان کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسی حکم میں وہ قصے اور وہ باتیں بھی شامل ہیں جن میں عبرت ہیں، اور ایسی ہی روایتوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے: **حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج** (مشکوۃ)

(٢) دوسری قسم ان روایات کی ہیں جن کی تکذیب قرآن وحدیث اور دلائل

خارجیہ سے ثابت ہو۔ مثلاً داؤد علیہ السلام کا اوریا کی بیوی پر عاشق ہونا ایسی تمام روایات کو باطل سمجھا جائے گا کیوں کہ یہ امت کے اجمائی عقیدہ کے خلاف ہے۔

(۳) تیسری قسم ان روایتوں کی ہے جن کی قرآن وحدیث سے اور دلائل خارجیہ سے نہ تصدیق ہوتی ہے اور نہ تکذیب ہوتی ہے جیسے نوح کی کشتی کتنی بڑی تھی، حضرت ابراہیمؑ نے جن چار پرندوں کو جمع کیا ان کے نام کیا تھے؟ ایسی روایتوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے (لاتصدقوهم ولا تكذبو هم فقولوا آمنا بالله).

اسرائیلی روایات کے سلسلہ میں قرآن کی ایک آیت سے بھی اشارہ ملتا ہے قرآن نے اصحاب کہف کی تعداد ذکر کی ہے ﴿سيقولون ثلثة رابعهم كلبهم ويقولون خمسة سادسهم كلبهم رجماً با لغيب﴾ قرآن نے پہلے بنی اسرائیل کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا۔

بعض نے کہا پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا، قرآن نے ان دونوں روایات کو غلط قرار دیا ﴿رجمًا بالغيب﴾ کہہ کر، معلوم ہوا کہ اس کے جھوٹ ہونے کو بتلانے کے لیے نقل کرنا جائز ہے بعض اہل کتاب کہتے تھے کہ وہ سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا اس کے بارے میں قرآن نے کہا ﴿قل ربی أعلم بعدتهم ما يعلمهم إلا قليل﴾ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے بارے میں علم نہ ہو اس کا علم اللہ کے حوالے کر دیا جائے، آگے اللہ نے حکم دیا ﴿فلا تمار فيهم الا مراءً ظا هرًا﴾ کہ اہل کتاب سے بحث ومباحثہ نہ کیا جائے اور نہ ان سے تفتیش کی جائے۔

محاضرہ (۲۲)

تابعین میں مفسرین

مفسرین تابعینؒ کے تین طبقے ہیں: (۱)طبقہ اہل مکہ (۲)طبقہ اہل مدینہ (۳)طبقہ اہل عراق۔

طبقۂ اہل مکہ: طبقۂ اہل مکہ کے استاذ تفسیر حضرت ابن عباسؓ ہیں اور ان کے مشہور شاگرد یہ ہیں: مجاہد، عطاء، عکرمہ، طاؤس، سعید بن جبیر۔

مجاہدؒ: آپ کی ولادت ۲۱ھ اور وفات ۱۰۳ھ میں ہوئی۔ نام مجاہد کنیت ابوالحجاج ہے، مکہ کے رہنے والے ہیں، امام ذہبیؒ نے فرمایا: مجاهد شيخ القراء والمفسرين بلا مراء، آپ بلا اختلاف شیخ القراء والمفسرین ہیں، حضرت ابن عباسؓ کے سب سے معتمد شاگرد ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے پورے قرآن کا دور تین مرتبہ اس طرح کیا کہ ہر آیت پر رک کر ابن عباسؓ سے پوچھتا تھا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ کس کے بارے میں؟ اور کس حال میں نازل ہوئی؟ اس لیے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب التفسیر میں انہیں کی روایات کو لیا ہے۔

عطاءؒ: آپ کی ولادت ۲۷ھ اور وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی۔ ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی اہل مکہ کے مفتی اور محدث تھے، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ما لقيت احدا افضل من عطاء بن ابی رباح، میں نے عطاء بن رباح سے افضل کسی کو نہیں پایا۔

عکرمہؒ: آپ کی ولادت ۲۵ھ اور وفات ۱۰۵ھ میں ہوئی۔ ابن عباسؓ کے آزاد شدہ غلام تھے، امام شافعیؒ نے ان کے بارے میں فرمایا: ما بقي احد اعلم بكتاب

الله من عکرمہ، عکرمہ سے زیادہ اور بہتر اللہ کی کتاب کو جاننے والا کوئی باقی نہ رہا۔

طاؤس: آپ کی ولادت ۳۳ھ اور وفات ۱۰۶ھ میں ہوئی۔ کوفہ کے رہنے والے تھے تقریباً پچاس صحابہ سے ملاقات ثابت ہے، علم وفضل، زہد وتقویٰ، حفظ وذکاء میں بے مثال تھے، قرآن کے بڑے ماہر اور بڑے مستجاب الدعوات تھے، چالیس حج کیے، ابن عباسؓ فرماتے تھے: انی لأ ظن طاؤسا من اهل الجنة، میں طاؤس کو جنتی سمجھتا ہوں۔

سعید بن جبیرؒ: آپ کی ولادت ۴۵ھ اور وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔ تفسیر قرآن میں بڑی شہرت تھی سفیان ثوریؒ فرماتے تھے تفسیر قرآن چار شخصوں سے حاصل کرو، سعید، مجاہد، عکرمہ، ضحاکؒ۔

ابن عباسؓ کی جب بینائی چلی گئی اور اہل کوفہ میں کوئی شخص آکر کچھ پوچھتا تو فرماتے تم میں سعید بن جبیر ہیں، پھر بھی مجھ سے پوچھتے ہو، بڑے عابد وزاہد تھے، دوشب میں ایک قرآن ختم کرتے، ایک مرتبہ ایک رات میں کعبہ کے اندر پورا قرآن ختم کیا۔

طبقہ اهل مدینه: طبقہ اہل مدینہ کے استاذ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں ان کے مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں: ۱۔ محمد بن کعب قرظی، ۲۔ ابوالعالیہ، ۳۔ زید بن اسلم۔

محمد بن کعب: مدنی ہیں، مدینہ میں بہت سے صحابہ سے ملاقات اور روایت ثابت ہے ابن سعد کا قول ہے "کان ثقة عالما کثیر الحدیث ورعا صالحا" بڑے معتمد اور حدیثوں کو خوب جاننے والے اور بڑے متقی وپرہیزگار تھے۔ عون بن عبداللہ کا قول ہے "ما رأیت أحدا اعلم بتاویل القرآن منه" میں نے ان سے بڑا قرآن کی تفسیر کا عالم نہیں دیکھا، آپ کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔

ابو العالیه الریاحی: آپ کا اصل نام رفیع بن مہران، کنیت

ابوالعالیہ ہے، قبیلہ بنی رباح کی ایک عورت کے آزاد شدہ غلام ہیں۔ قرآن کی تفسیر کے بڑے ماہر تھے، ابن عباسؓ ہمیشہ اونچی جگہ پر بٹھاتے۔ آپ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔

زید بن اسلم: آپ کی کنیت ابواسامہ ہے۔ بڑے فقیہ مفسر اور محدث تھے، خصوصاً علم تفسیر میں بڑی مہارت تھی، تمام ائمہ نے ان کو ثقہ قرار دیا، صرف ابن عمرؓ اور سفیان بن عیینہ نے ان کے حافظہ پر جرح کی ہے، آپ کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی۔

طبقہ اہلِ عراق:

اہل عراق کے رئیس اور استاذ تفسیر ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کے مشہور شاگردوں میں حسن بصری، مسروق بن اجدع، قتادہ بن دعامہ، عطا بن مسلم خراسانی، مرہ ہمدانیؒ ہیں۔

حسن بصری: اہل بصرہ کے امام، اپنے زمانے کے جید اور ماہر عالم اور صوفی باصفات تھے، ابوسعید آپ کی کنیت ہے۔

امام غزالیؒ نے فرمایا: **کان الحسن البصری اشبه الناس کلامًا بکلام الأنبیاء واقربهم هدیًا من الصحابه** ۔ حسن بصریؒ کی گفتگو نبیوں کی گفتگو کے مشابہ ہوتی، اور آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ صحابہ کے راستے اور طریق پر چلنے والے تھے، ایوب سختیانی نے فرمایا میں نے حسن بصریؒ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا بصرہ میں ۱۱۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

مسروق: ابوعائشہ کنیت سے آپ مشہور ہیں، بڑے عابد فقیہ اور ثقہ تھے، امام شعبیؒ کا قول ہے، میں نے مسروق سے بڑھ کر علم کا شائق نہیں دیکھا۔ مسروق کہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ ہمیں کوئی سورت سناتے اور پھر دن بھر اس کی تفسیر کرتے، بچپن میں ایک مرتبہ کسی

نے ان کو چرالیا تھا اس لیے مسروق سے مشہور ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ پوچھا: من أنت، قال مسروق بن أجدع، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: أجدع تو شیطان ہے، أنت مسروق بن عبد الرحمٰن جب سے وہ مسروق بن عبدالرحمٰن سے مشہور ہوئے۔

قتادہ بن دعامہ: آپ کی ولادت ۶۱ھ اور وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ بڑے ذہین تھے، جو کچھ سنتے ایک دفعہ میں یاد ہو جاتا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی محدث سے نہیں کہا دوبارہ ارشاد فرمائیں، مادرزاد نابینا تھے۔ سعید بن مسیبؒ سے جب بھی آپ کی ملاقات ہوتی تو مسائل اور تفسیر قرآن ہی کے متعلق گفتگو فرماتے۔ ایک مرتبہ سعید بن مسیبؒ نے فرمایا قتادہ سے بہتر کسی عراقی سے میری ملاقات نہیں ہوئی، امام احمد بن حنبلؒ ہمیشہ ان کی تعریف کرتے۔

عطاء خراسانیؒ: ولادت ۵۰ھ وفات ۱۳۵ھ میں ہوئی، ابوعثمان آپ کی کنیت ہے، بڑے ہی عابد وزاہد تھے، تدریس اور نشر علم کے بڑے شوقین تھے، اگر کسی شاگرد کو نہ پاتے تو مساکین اور غرباء کے پاس چلے جاتے اور ان کو احادیث اور قرآن کی تفسیر سناتے، رات رات بھر تہجد کی نماز میں مصروف رہتے۔

مرہ ہمدانی: آپ کی کنیت ابواسماعیل ہے مرۃ الطیب اور مرۃ الخیر سے مشہور ہوئے، آپ بڑے عابد وزاہد تھے، دن رات میں ۵۰۰ رکعات نوافل پڑھتے تھے امام ذہبیؒ فرماتے ہیں آپ تفسیر میں صاحب بصیرت تھے ۷۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

تفسیر ماثور کی چند اہم کتابیں:

(۱) تنویر المقیاس من تفسیر.....ابن عباسؓ

(۲)جامع البیان.....ابن جریر طبریؒ

(۳)بحر العلوم.....ابواللیث سمرقندیؒ

(۴)الکشف والبیان.....ابواسحاق ثعلبیؒ

(۵)معالم التنزیل.....ابومحمد حسین بغویؒ

(۶)المحرر الوجیز فی التفسیر القرآن الکریم.....ابوعطیہ اندلسیؒ

(۷)تفسیر القرآن الکریم.....حافظ ابن کثیرؒ

(۸)الدر المنثور.....علامہ سیوطیؒ (التفسیر والمفسرون ج۱،ص۲۰۵)

تفسیر بالرائے کی چند اہم کتابیں :

(۱)مفاتیح الغیب.....امام رازیؒ

(۲)انوار التنزیل واسرار التاویل.....امام بیضاویؒ

(۳)مدارک التنزیل.....امام نسفیؒ

(۴)لباب التاویل.....خازن

(۵)البحر المحیط.....ابوحیان اندلسی

(۶)غرائب القرآن ورغائب الفرقان.....نیساپوری

(۷)تفسیر الجلالین.....جلال الدین محلی وسیوطی

(۸)ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم.....ابوالسعود

(۹)روح المعانی.....علامہ آلوسی بغدادی

فقہائے کرام کی تفسیریں:

(۱)احکام القرآن.....امام جصاص حنفی

(۲)احکام القرآن.....امام الہراسی شافعی

(۳)احکام القرآن.....ابن عربی مالکی

(۴)الجامع لاحکام القرآن.....قرطبی مالکی

(۵)کنز العرفان فی فقہ القرآن.....مقداد سیوری فرقۂ اثنا عشریہ

(۶)الثمرات الیانعہ.....یوسف ثلاثی فرقۂ زیدیہ

(۷)تفسیر احمدیہ.....ملا جیون

(۸)احکام القرآن.....للتھانوی

(۹)تفسیر آیات الاحکام.....محمد علی الصابونی

تفسیر اشاری (تفسیر صوفیا) کی چند اہم کتابیں:

(۱)تفسیر القرآن العظیم.....تستری

(۲)حقائق التفسیر.....سلمی

(۳)عرائس البیان فی حقائق القرآن.....ابو محمد شیرازی

(۴)التاویلات النجمیہ.....نجم الدین، علاء الدین سمنانی

(۵)التفسیر المنسوب.....ابن عربی (ایضا جلد۲، ص۴۰۰)

(۶)لطائف الارشادات.....للامام قشیری نیشاپوری

فرقۂ اثنا عشریہ کی اہم تفاسیر (تفسیر باطنی):

(۱)مرآۃ الأنوار.....عبد اللطیف کازانی

(۲)تفسیر الحسن.....العسکری

(۳)مجمع البیان لعلوم القرآن.....طبرسی

(۴)الصافی فی تفسیر القرآن.....ملا حسن کاشی

(۵)تفسیر القرآن.....سید عبد اللہ علوی

(۶)بیان السعادۃ فی مقام العبدۃ.....سلطان محمد خراسانی

محاضرہ (۲۳)

چند تفسیری کتابوں کا تعارف

(۱) **تفسیر ابن عباسؓ**: یہ تفسیر، ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباسؓ کے نام سے طبع ہوئی ہے، ابوالطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی شافعیؒ نے جمع کیا ہے، ابن عباسؓ کو ترجمان القرآن کہا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء اور نسبی برکت نے تفسیری کمالات کے اعلیٰ درجے پر پہنچا دیا، اس لیے ان کی تفسیر میں کوئی شک وشبہ نہیں، حضرت عمرؓ ان کی تفسیر کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور بڑی باوقعت نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن امت تک جو تفاسیر پہنچی ہیں وہ آٹھ سندوں کے ساتھ منقول ہیں۔

(۱) عن معاویۃ بن صالح عن علی بن أبی طلحۃ عن ابن عباس یہ سب سے عمدہ طریق اور سند ہے۔

(۲) عن قیس بن اسلم الکوفی عن عطاء بن سائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ یہ سند بھی شیخینؒ کی شرط کے مطابق ہے۔

(۳) عن أبی اسحاق عن محمد بن أبی محمد عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ یہ بھی عمدہ اور حسن سند ہے۔

(۴) عن الضحاک بن مزاحم الھلالی عن ابن عباس یہ سند غیر مقبول ہے، ضحاک مختلف فیہ ہیں اور ابن عباسؓ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

(۵) عن اسماعیل بن عبد الرحمن السدی الکبیر عن أبی صالح

عن ابن عباس اس سند میں سدی کبیر مختلف فیہ ہیں کہ شیعیت کا الزام ہے۔

(٦)عن عطية العوفي عن ابن عباسؓ یہ سند بھی غیر مقبول ہے عطیہ ضعیف ہیں۔

(٧)عن مقاتل بن سليمان الخراساني یہ سند بھی نہایت ضعیف ہے، یہ بڑا کذاب تھا، احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے مجھے اچھا نہیں لگتا کہ مقاتل کی سند سے کوئی روایت کرے۔

(٨)عن محمد بن السائب الكلبي عن ابي صالح عن ابن عباسؓ کلبی پر وضع کا الزام ہے اور تفسیر ابن عباسؓ نامی مشہور کتاب میں ساری باتیں اسی سند سے مذکور ہیں، اس لیے یہ کتاب قابل اعتماد نہیں ہے۔

جامع البیان(ابن جریر طبری): امام طبری کو اللہ نے علوم کثیرہ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا اور انہوں نے امت کے لئے بڑی اسلامی علمی میراث چھوڑی "تاريخ الأمم والملوک" جیسی مشہور کتاب مرتب فرمائی اور اس مذکورہ تفسیر سے ان کی بڑی شہرت ہوئی۔

اور واقعۃً یہ دونوں کتابیں اہم علمی مراجع میں شامل ہیں۔ یہ تفسیر ۳۰ اجزاء میں ہے، اس کا مخطوطہ نسخہ نجد کے امیر حمود بن الرشید کے پاس تھا، بڑی عظیم تفسیر ہے کسی طالب تفسیر کو اس سے بے نیازی نہیں ہو سکتی، امام سیوطیؒ نے فرمایا یہ تفسیر بڑی جلیل القدر اور تمام تفسیری کتابوں میں سب سے قدیم ہے، ان کا طریقہ ہے کہ پہلے آیت کی تفسیر کرتے ہیں پھر استشہاد میں صحابہ اور تابعین کے اقوال پیش کرتے ہیں، مختلف اقوال پیش کرنے کے بعد اس کی توجیہ اور ترجیح بھی اچھے انداز میں پیش کرتے ہیں، نحوی، صرفی بحثیں، اختلاف قرأت بھی بوقت ضرورت پیش کرتے ہیں بعض مقامات پر احکام کا بھی استنباط کرتے ہیں، اسرائیلی روایات کا اچھی طرح تعاقب کرتے ہیں اعتقادی مسئلوں میں عمدہ مناقشہ

پیش کرتے ہیں، جس سے اہل باطل کا اچھی طرح رد ہو جائے۔ (مباحث فی علوم القرآن)

بحر العلوم (تفسیر سمر قندی) : آپ کا نام نصر بن محمد اور کنیت ابواللیث ہے آپ کی وفات ۳۸۳ھ میں ہوئی، تفسیر کا نام بحر العلوم ہے صرف دو جلدوں میں ہے تفسیر میں اقوال صحابہ و تابعین ذکر کرتے ہیں مگر سند ذکر نہیں کرتے ہیں۔

الکشف والبیان (ثعلبی): آپ کا نام احمد بن ابراہیم ثعلبی ہے آپ کی کنیت ابو اسحاق ہے، وفات ۴۲۷ھ میں ہوئی، کتاب کا نام "الکشف و البیان عن تفسیر القرآن" ہے یہ مختصر سند کے ساتھ سلف کے طرز پر تفسیر کرتے ہیں، فقہی اور نحوی بحثیں بھی اہتمام سے ذکر کرتے ہیں، قصوں کے بڑے دلدادہ ہیں بعض مواقع پر اسرائیلی روایات کے باطل قصے بھی ذکر کر دیتے ہیں، لیکن یہ تفسیر ناقص ہے صرف سورۃ فرقان تک ہے مخطوطہ نسخہ مکتبہ ازہر میں موجود ہے۔

معالم التنزیل (تفسیر بغوی): آپ کا نام حسین بن مسعود بغوی ہے کنیت ابو محمد ہے وفات ۵۱۰ھ میں ہوئی۔ بڑے محدث، مفسر، متقی اور علم و عمل کے جامع تھے، مسلکاً شافعی ہیں، یہ تفسیر احادیث موضوعہ اور بدعتی آراء سے منزہ اور پاک ہے، کہیں کہیں اسرائیلی روایات بھی ہیں لیکن تفسیر ماثور میں اس کا درجہ بہتر ہے۔

المحرر الوجیز (ابن عطیہ مالکی): ابن عطیہ اندلس کے قاضی رہے ہیں، علمی گھرانے میں پرورش پائی جس کے سبب بڑے جلیل القدر فقیہ اور لغت وادب کے بڑے ماہر بنے، ان کی یہ تفسیر دس جلدوں میں ہے، کتاب مخطوطہ شکل میں تھی ۵ ۱۹۷ھ میں شائع ہوئی ابوحیان کا قول ہے، کتاب ابن عطیہ انقل واجمع واخلص، ابن عطیہ کی یہ کتاب تفسیر میں بہت ہی جامع مختصر اور آثار و روایات کے موافق ہے۔

ابن تیمیہؒ کا قول ہے تفسیر ابن عطیہ اتبع للسنة والجماعة وأسلم من البدعة ،ابن عطیہ کی تفسیر احادیث اور جماعت صحابہ کے موافق اور بدعت سے بالکل محفوظ ہے، کتاب کا پورا نام المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ہے۔

تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر): مصنفؒ کا اصل نام اسماعیل بن عمر بن کثیر ہے، حافظ ابن کثیر سے مشہور ہیں، تفسیر و تاریخ کے بڑے ماہر تھے، تاریخ میں ان کی مشہور کتاب، (البدایہ والنہایہ) ہے جو اسلامی تاریخ کا بہت بڑا مرجع ہے اور تفسیر ماثور میں سب سے مشہور اور مقبول کتاب طبری کے بعد دوسرے نمبر کی ہے، ابن کثیر احادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں تفسیر کرتے ہیں، مزید یہ کہ راویوں پر جرح وتعدیل ،اقوال کی ترجیح وتصحیح بھی پیش کرتے ہیں ،ضعیف اقوال کی وضاحت، اسرائیلی روایات پر سخت نکیر کرتے ہیں، یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔

الدر المنثور (تفسیر سیوطی): یہ تفسیر مشہور مصنفؒ جلال الدین سیوطی کی ہے آپ کی ولادت ۸۴۹ھ اور وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی ، تفسیر کا اصل نام الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور ہے، اپنی تفسیر میں اقوال ماثورہ معقولہ، استنباط ،اشارات، لغات، اعراب سبھی چیزیں پیش کرتے ہیں۔

تفسیر بالرائے کی چند اہم کتابوں کا تعارف

مفاتیح الغیب (رازیؒ): امام فخر الدین رازیؒ علوم نقلیہ اور عقلیہ کے بڑے ماہر تھے، بڑی اہم اہم کتابیں آپ نے تالیف فرمائی ہیں، ان میں سب سے مشہور مفاتیح الغیب ہے یہ تفسیر ۸ جلدوں میں ہے۔ امام رازیؒ نے یہ تفسیر سورۃ انبیاء تک لکھی، بعد میں شہاب الدین خولی نے تکملہ لکھنا شروع کیا لیکن وہ بھی مکمل نہ کر سکے ان کے بعد نجم

الدین قمولی نے اس کو مکمل کیا، کمال وخوبی کی بات یہ ہے کہ اصل اور تکملہ میں کچھ فرق نظر نہیں آتا، امام رازیؒ کی خصوصیت ہے کہ وہ آیات اور سورتوں کے درمیان مناسبت ذکر کرتے ہیں، اسی طرح علوم ریاضیہ، فلکیہ، طبعیہ اور فلسفیانہ بحثوں کو بھی عقلی استدلالات کے ساتھ پیش کرتے ہیں، فقہاء کے مذاہب کا بڑے اہتمام سے تذکرہ کرتے ہیں، الغرض یہ کہ کتاب درحقیقت علم کلام، علم کائنات وطبعیات کا ایک موسوعہ علمیہ ہے، جو تفسیر کبیر سے مشہور ہے۔

البحر المحیط (ابو حیانؒ): امام ابوحیان اندلسی، لغت، تفسیر، حدیث اور علوم رجال کے بڑے ماہر تھے۔ ان کی تصنیفات میں سب سے مشہور **البحر المحیط** ہے جو ۸ جلدوں میں ہے، ابوحیان اپنی تفسیر میں وجوہ اعراب، نحوی مسائل پر مناقشہ مجادلہ اس قدر کثرت سے ذکر کرتے ہیں، کہ یہ کتاب تفسیر سے زیادہ نحوی قواعد ومسائل پر مشتمل ہے، ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ امام زمخشریؒ کے عقیدۂ اعتزال پر اچھی طرح تنقید کرتے ہیں۔

الکشاف عن حقائق التنزیل (زمخشریؒ): علامہ زمخشریؒ نحو، لغت، ادب وتفسیر کے بڑے ماہر تھے، عربی زبان وادب میں ان کی رائے استشہاد کا درجہ رکھتی ہے، لیکن حنفی مذہب رکھنے کے باوجود اعتزال کی طرف مائل تھے، ایک طرف آیات کی تفسیر کے دوران اشارات بعیدہ کے ذریعے فرقۂ معتزلہ کی خوب نصرت کرتے ہیں، دوسری طرف قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت اور اس کے جمال کو بھی کھولتے ہیں۔

انوار التنزیل اور اسرار التاویل (بیضاوی):

اس کے مؤلف شیخ عبداللہ البیضاوی ہیں، آپ کی وفات ۶۸۵ھ میں ہوئی، کتاب کا پورا نام انوار التنزیل واسرار التاویل ہے، اپنی تفسیر میں روایت ودرایت دونوں کو

جمع کرتے ہیں۔ بڑی جامع تفسیر ہے، ہر سورت کے اختتام پر اس کی فضیلت والی حدیث ذکر کرتے ہیں، مگر حدیث کی صحت کا التزام نہیں کرتے ہیں، صحیح وسقیم دونوں قسم کی حدیثیں ذکر کر دیتے ہیں۔

مدارک التنزیل (نسفی): شیخ عبداللہ بن احمد نسفی م ۷۱۰ھ اس کے مؤلف ہیں۔ کتاب کا پورا نام مدارک التنزیل وحقائق التاویل ہے۔ بے حد مقبول اور متداول تفسیر ہے صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں: یہ تفسیر وجوہ اعراب وقرأت، علم بدیع اور اہل سنت والجماعت کے اقوال سے مزین ہے، اہل بدعت کی ضلالت وگمراہی سے محفوظ ہے، زیادہ طوالت بھی نہیں اور نہ زیادہ اختصار ہے۔

غرائب القرآن (نیساپوری): اس کے مؤلف شیخ نظام الدین حسن محمد نیساپوری ہیں، آپ کی وفات ۷۲۸ھ میں ہوئی۔ کتاب کا نام غرائب القرآن ورغائب الفرقان ہے۔ کتاب کی عبارت بہت آسان ہے اور تعقید سے محفوظ ہے۔ دو چیزوں کا خوب التزام کیا ہے: اختلاف قرأت اور تفسیر اشاری۔

تفسیر ابی السعود: مؤلف قاضی محمد بن طحاوی ہیں، ابوالسعود سے مشہور ہیں، ۹۵۲ھ میں وفات ہوئی انہوں نے قرآنی بلاغت، ربانی احکام کی حکمتوں کو خوب کھولا ہے، تفسیر دقیق ہے، اہل علم کے لائق ہے۔

تفسیر آلوسی: مؤلف محمود آلوسی بغدادی ہیں، آپ کی وفات ۱۲۷۰ھ میں ہوئی، آپ مفتی بغداد تھے، تفسیر کا نام روح المعانی ہے، تمام اسلاف کے آراء کو روایۃً جمع فرمادیا اسرائیلی روایات پر بہت سخت جرح کرتے ہیں۔ وجوہ بلاغت واعراب بھی بڑے عمدہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ تفسیر کے طالب کے لیے یہ بہترین مرجع ہے۔

محاضرہ (۲۴)

دور جدید کی بعض عربی تفاسیر

تفسیر المنار (رشید رضا مصری):

رشید رضا مصری اپنے نظریے، عقائد و مسائل میں بہت سی جگہوں پر جمہور سے ہٹے ہوئے نظر آتے ہیں، مثلاً: بعض معتزلہ اصحاب کبائر کے لیے خلود نار کے قائل ہیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے ﴿ومن عاد فاولئک اصحب النار هم فيها خلدون﴾

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ وہ صاحب کبیرہ جو آکل ربا اور قاتل کے درجے میں ہو اس کے لیے خلود نار ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی بہت سی آیتوں کو حقیقت سے پھیرتے ہوئے مجاز و تشبیہ پر محمول کرتے ہیں۔

مثلاً من قبل أن نطمس وجوها ،طمس وجہ کو معنی حقیقی کے بجائے معنی مجازی یعنی مقصد میں ناکامی کو مراد لیتے ہیں۔ جادو کے بارے میں ان کا نظریہ ہے کہ وہ لاشیٔ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے گئے جادو کا بھی انکار کر دیا، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لبید بن عاصم کا جادو کرنا صحیح روایت سے ثابت ہے۔ شیاطین اور جنات کے وجود کے بھی منکر ہیں، فرماتے ہیں کہ وہ محض ایک وہم اور تخیل ہے۔

(التفسیر والمفسرون: ج۲/ ۵۸۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بارے میں فرمایا: "لامعجزة للنبی صلی الله علیه وسلم غیر القرآن الکریم" قرآن کے سواء آپ کا کوئی معجزہ نہیں۔

بہت سے فقہی مسائل میں جمہور سے ہٹے ہوئے نظر آتے ہیں، مشہور آیت وصیت" ان ترک خیرا ن الوصیة للوالدین ،الخ کو وہ منسوخ نہیں مانتے اور مسافر کے لیے پانی کی موجودگی میں تیمم کو جائز قرار دیتے ہیں۔

تفسیر احمد مصطفی المراغی:

قرآن کریم کی اچھی تفسیر کرتے ہیں، ان کی تفسیر درحقیقت درس قرآن ہے جو عربوں میں کافی مقبول تھا۔ لیکن مراغی صاحب رائے اور فکر کی آزادی رکھتے ہیں، چناں چہ فمن کان منکم مریضا او علی سفر، الخ۔

مسافر اور مریض کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، مگر وہ مسافر جو مسافر شرعی ہو، یعنی تین دن کی مسافت جو جدید حساب سے سو استر کلو میٹر کے برابر ہوتا ہے۔ یہی تمام ائمہ کا مسلک ہے، لیکن انہوں نے مطلق سفر کو مبیح للافطار قرار دیا، جو داؤد ظاہری کا مسلک ہے۔

اسی طرح قرآن میں جہاں بھی سبعہ کا عدد ہے، اس کو کثرت پر محمول کرتے ہیں، مثلاً جہنم کے سات دروازے، سات آسمان، سات زمین سب کو کثرت پر محمول کرتے ہیں، حقیقت پر نہیں۔

اسی طرح ستاروں کے ذریعے رجم شیطان کے منکر ہیں جب کہ قرآن میں واضح طور پر موجود ہے، وجعلنٰها رجوما للشیٰطین .

اس آیت میں وہ تاویل فاسد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رجم شیطان سے مراد قرآن وحدیث کی قطعی دلیلیں ہیں، جو ان لوگوں کا سر کچل دیتی ہیں جو شیطان کی راہ پر چلتے ہیں، اس طرح کی بہت سی بے جا تاویلیں کرتے ہیں۔ (التفسیر ۱۰۵/ ج ۲)

الجواهر فی تفسیر القرآن (طنطاویؒ):

شیخ طنطاویؒ دارالعلوم مصر کے مدرس رہے ہیں، وہ طلبہ کے درمیان آیتوں کی تفسیر کرتے رہتے، اخبارات ورسائل کے لیے بھی بہت سی آیتوں کی تفسیریں لکھیں، اسی طرح ان کی تفاسیر نے کتابی شکل اختیار کرلی، تفسیر میں سب سے زیادہ ان کی توجہ علوم کونیہ، عجائبات خلق پر مرکوز ہے، دین کے فرائض سے زیادہ توجہ ان کی ایسے امور پر ہے، اور مزید یہ فرماتے ہیں کہ جو چیز میں نے تفسیر میں داخل کی فقہائے اسلام، اور علمائے دین اس سے غافل رہے ہیں، وہ زیادہ تر نباتات، حیوانات، قدرتی مناظر اور افلاطون کے اقوال کا تذکرہ کرتے ہیں، ان امور نے ان کی تفاسیر کی قدر ومنزلت گھٹادی، اور علماء کا یہ قول ہے، فیه کل شیء الا التفسیر، اس میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے۔

اردو تفاسیر:

بیان القرآن: حضرت تھانویؒ کی تفسیر ہے جو تمام اردو تفاسیر میں سب سے جامع، مختصر اور معتبر ہے، اہل علم کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے، جس میں تفسیر کے ساتھ بلاغت، نحو وصرف، مسائل وسلوک ساری باتیں موجود ہیں، بہت سے مسائل واشکالات کا حل ایسے چھوٹے چھوٹے جملوں میں فرمادیتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، یہ بعض خوبیاں وہ ہیں جو قدیم تفسیروں میں موجود نہیں ہیں۔

معارف القرآن: حضرت تھانویؒ کے مشہور خلیفہ حضرت مفتی شفیعؒ کی علمی شاہکار ہے، بہت معتبر تفسیر ہے، جو عوام وخواص دونوں کے لیے مفید ہے۔ دوسری معارف القرآن حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی کی ہے یہ بھی معتبر ہے اور اسی میں بہت سے علمی جواہر پارے اختصار کے ساتھ موجود ہیں۔

معارف القرآن مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ سے یہ مکمل نہ ہوسکی، بعد میں اس کی تکمیل حضرت ہی کے فرزند مولانا مالک کاندھلویؒ نے فرمائی، سورہ صافات تک حضرت کی ہے اور سورہ ص سے اخیر تک آپ کے فرزند حضرت مولانا مالک کاندھلویؒ کی ہے۔

تفیسر مظھری: یہ اصل تفسیر عربی میں ہے جو علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کی ہے۔ انہوں نے اپنے شیخ طریقت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کی طرف نسبت کرتے ہوئے تفسیر مظہری نام رکھا۔ یہ تفسیر نہایت سادہ اور واضح ہے، اختصار کے ساتھ تمام آیات قرآنیہ کی تشریح، متعلقہ روایات کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

تفسیر عثمانی: ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ کا ہے، اور حاشیے میں مفتی شبیر احمد صاحب عثمانی نے تمام قدیم وجدید تفسیروں کا خلاصہ اور نچوڑ جمع کر دیا ہے، نہایت معتبر اور معتمد تفسیر ہے۔

تفسیر ماجدی: تفسیر ابو الکلام: مولانا عبدالماجد اور مولانا ابوالکلام آزاد کی لکھی ہوئی یہ تفسیریں ہیں، تفسیر میں جدت، ادبیت ضرور ہے، لیکن اس جدت اور ادبیت نے بہت سے مقامات پر اہل سنت والجماعت کے جادۂ حق سے ہٹا دیا، مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر کا نام ترجمان القرآن ہے۔

تفسیر ابو الأعلی (مودودی): نہایت غیر معتبر اور گمراہ کن تفسیر ہے، انبیائے کرام، صحابہ عظام کے ساتھ بدظنی پیدا کرنے والی تفسیر ہے، اگر یہ کہا جائے کہ مکمل طور پر تفسیر بالرائے مذموم کا مصداق ہے تو غلط نہ ہوگا، اس تفسیر کا نام تفہیم القرآن ہے۔

محاضرہ (۲۵)

لسان القرآن

عربی اسلام کی سرکاری زبان ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو قرآن کے لیے پسند کیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿انا انزلنه قرءٰنًا عربيا لعلكم تعقلون﴾ ہم نے اس کو عربی قرآن کی شکل میں اتارا تا کہ تم سمجھو۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ، بلسان عربی مبین ، عربی مبین کی زبان میں اتارا، عربی میں واضح عربی جو بآسانی سمجھ میں آجائے ، یہ قریش کی زبان تھی ، اس لیے ہر میلے مقابلے اور تقریب میں انہیں کا اقتدار چلتا ، سارا عرب انہیں عزت سے دیکھتا ، ملک میں ادبی معیار کو کامل طریقے پر پہونچی ہوئی قریش کی زبان تھی ۔ (آثار) ہمارے نزدیک قرآن کا کوئی لفظ معرب نہیں کہ قرآن نے خود غیر عربی کو عربی میں داخل کیا ہو ایسا نہیں ، بل کہ وہ الفاظ وہ تھے جن کو قریش خود عربیت کے طور پر اپنے الفاظ میں شامل کر چکے تھے۔

ترجمة القرآن : قرآن ایک علمی اور عالمی دستاویز ہے، علم کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی ، جس زبان کا لباس پہنا دے وہ پہن لیتا ہے، اقوام عالم کو اس کے مطالب سے روشناس کرانے کے لیے ہر زبان میں اس کے تراجم ہونے چاہئیں۔ ایک زمانے تک یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا۔

ایک جماعت ترجمہ قرآن کو تحریف قرار دے کر ناجائز کہتی ہے لیکن بالآخر علماء ہند اور علماء اَزہر نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ، وبالجملة ان علماء الهند مجمعون على جواز تراجم القرآن فی هذا العصر وشيخة الأزهر وعلماء

مصر ایضا(یتمة القرآن)

لیکن ترجمہ قرآن کے لیے چند شرطیں ہیں۔

(۱) مترجم دونوں زبانوں پر عبور رکھتا ہو (۲) جس عبارت کا ترجمہ کرنا ہے اگر وہ کئی معنوں کا احتمال رکھے تو ایسے لفظ سے پرہیز کیا جائے (۳) اصل عربی میں استعارات، کنایات، اطلاق وتقیید ہو تو ترجمہ میں اس کا خیال رکھا جائے (۴) ترجمہ کو اصل سے بڑھنے نہ دیا جائے (۵) مترجم بد مذہب اور بے قید نہ ہو (۶) تفسیری علوم کا ماہر ہو۔ (آثار)

فارسی تراجم :

(۱) ترجمۂ میر سید شریف جرجانی جو ترجمہ ۸۱۶ھ میں کیا، یہ ترجمۂ سعدی شیرازی کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) ترجمۂ حسین واعظ کاشفی ۹۱۰ھ، ترجمہ حسینی کے نام سے شائع ہوا۔

(۳) ترجمۂ نظام نیشاپوری۔

(۴) ترجمۂ شاہ ولی اللہ، بہت عمدہ انداز ہے مختصر فوائد بھی شامل ہیں اس کا نام فتح الرحمان ہے۔

(۵) ترجمۂ شیخ الہند، افغانی حکومت نے فارسی زبان میں بڑے آب وتاب کے ساتھ شائع کیا۔

اردو تراجم :

ترجمۂ شاہ عبدالقادر (جو ۱۲۰۵ھ ہوا)، سارے اردو تراجم کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

ترجمۂ شاہ رفیع الدین، ترجمہ تحت اللفظ ہے سید نجف علی شاہ ترجمہ پڑھتے اور لکھتے ۱۲۵۶ھ میں شائع ہوا۔

ترجمۂ مولوی عبدالسلام ۱۲۵۵ھ۔ ترجمہ، مولانا فتح محمد لکھنوی، یہ ترجمہ خلاصۂ التفسیر کے ساتھ ۵ جلدوں میں شائع ہوا۔

ترجمۂ مولانا امیر علی ملیح آبادی، مواہب الرحمان کے ساتھ شائع ہوا۔

ترجمۂ مولانا عبدالحق دھلوی۔

ترجمۂ وحیدالزماں، حیدرآبادی، اہل حدیث کے مسلک سے قریب ہے۔

ترجمۂ ڈپٹی نذیر احمد، سرسید کے قریبی ساتھیوں میں ہیں، حضرت تھانوی نے اصلاح ترجمہ دھلویہ کے نام سے اس پر تنقید کی۔

ترجمۂ مرزا حیرت دہلوی، اصلاح ترجمہ حیرت کے نام سے حضرت تھانویؒ کی تنقید ہے۔ ترجمۂ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، معتمد اور معتبر ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد ہیں۔

ترجمۂ حضرت تھانویؒ، ۱۳۲۰ھ لکھا گیا نہایت عام فہم اور مفید ہے۔

ترجمۂ شیخ الہند، ۱۳۳۶ھ میں مکمل ہوا اردو تراجم کا شاہکار، ترجمہ شاہ عبدالقادر کی روشنی میں مرتب فرمایا۔

ترجمۂ مولانا فتح محمد جالندھری، تمام فرقوں کا مصدقہ ترجمہ ہے۔

ترجمۂ احمد رضا خان احمد علی لاہوری، عبدالماجد دریابادی، احمد سعیدی دہلوی، مولانا تقی عثمانی یہ سب ترجمے مطبوعہ ہیں۔

شیعوں کے یہاں ملا مقبول دہلوی اور مولوی فرقان علی کے ترجمے رائج ہیں۔

تجوید القرآن: قرآن ایک پیغام عمل ہی نہیں بل کہ وہ بار بار پڑھی جانے

والی ایک کتاب ہے، اس لیے اس کا نام قرآن رکھا گیا، پڑھنے میں ترتیل اور اطمینان کا لحاظ رکھنا چاہیے، بات کتنی ہی باوزن کیوں نہ ہو اگر اطمینان سے اور ٹھہر ٹھہر کر نہ کہی جائے تو وہ دل میں اثر نہیں کرتی، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، ورتل القرآن ترتیلا ،قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر حروف کی صحیح ادائے گی کے ساتھ پڑھو، علامہ نسفیؒ نے ترتیل کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا،

اقرأ علی تؤدة، وتبیین الحروف وحفظ الوقوف و اشباع الحرکات.

(مدارك التنزیل)

قرآن کو سنجیدگی کے ساتھ حروف واضح کر کے، وقوف کو یاد رکھتے ہوئے اور حرکات وغیرہ کو کھینچ کر پڑھو، ابن مسعودؓ کے سامنے ایک شخص نے فقراء پر مد نہیں کیا تو ڈانٹا اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایسا نہیں پڑھایا، (طبرانی)

غرضیکہ تجوید کی ابتداء آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اسی لیے علامہ جزریؒ متوفی ۸۳۳ھ نے فرمایا: والأخذ با التجوید حتم لازم ، تجوید کو حاصل کرنا لازم ہے۔

محاضرہ (۲۶)

نسخ کا بیان

نسخ کے لغوی معنی ہیں، مٹانا، زائل کرنا، قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (فینسخ الله ما یلقی الشیطان) اللہ اس بات کو مٹادیتے ہیں جس کا شیطان القاء کرتا ہے۔

اصطلاحی تعریف : (رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی بشرط ان یکون الناسخ اقوی من المنسوخ اومسا ویاله) کسی شرعی حکم کو شرعی دلیل کے ذریعے اٹھالینا، اس شرط کے ساتھ کہ ناسخ منسوخ سے اقوی ہو یا مساوی ہو، کسی حکم کو منسوخ کرنا اس سے بہتر حکم کو لانے کے لئے ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ نسخ حالات اور طبیعت کے موافق احکام نازل کرنے کا نام ہے، نسخ یہ رائے کی تبدیلی کا نام نہیں ورنہ نعوذ باللہ اللہ کے کلام میں نقص آجائے گا، چوں کہ رائے کی تبدیلی عقل کی کمی سے ہوا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

اسی لئے بعض علماء نے نسخ کی تعریف یہ کی ہے کہ نسخ نام ہے کسی حکم کے نفاذ کی مدت کو ظاہر کردینا، یعنی جب کوئی حکم منسوخ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ یہ حکم اتنی ہی مدت کے لئے نازل کیا جارہا ہے، گرچہ وہ مدت اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے بیان نہیں کی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها) (البقرہ) ہم جو بھی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کے مثل لے آتے ہیں، اس آیت میں واضح اشارہ ہے کہ کسی حکم کو منسوخ کرنا، حالات اور طبیعت کے مناسب حکم لانے کے لئے ہوتا ہے۔

یہود اور مستشرقین نے نسخ کا انکار کیا ہے اور اس پر اعتراض کیا ہے کہ نسخ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں عیب لازم آتا ہے، لیکن تعجب ہے ان حضرات پر کہ ان کی شریعت میں خود بے شمار نسخ کی مثالیں موجود ہیں، مثلاً "یعقوب" کی شریعت میں دو بہنو ں کو اپنے نکاح میں جمع کرنا جائز تھا، خود یعقوبؑ نے دو بہنوں لیا اور راحل کو اپنے نکاح میں لے لیا تھا، لیکن اس حکم کو حضرت یعقوبؑ کی شریعت نے بعد میں منسوخ کر دیا۔

آیات منسوخہ کی تعداد:

متقدمین کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد بے شمار ہے، چوں کہ متقدمین کے نزدیک نسخ کی تعریف بہت عام ہے، عام کو خاص کرنا، مطلق کو مقید کرنا یہ صورتیں بھی ان کے نزدیک نسخ میں شمار ہوتی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے کہا (ولا تنکحوا المشرکٰت) (البقرہ) یہ آیت عام ہے لیکن اس سے اللہ تعالیٰ نے کتابیہ عورت کو خاص کیا ہے۔

(والمحصنت من الذین اوتوا الکتٰب) (المائدۃ) وہ عورتیں حلال ہیں جو مشرکین کے علاوہ ہیں، مشرکات سے کتابیہ عورتوں کی تخصیص کی گئی، متقدمین اس کو بھی نسخ کہتے ہیں، اسی طرح (فانکحوا ماطاب لکم من النساء) اللہ نے چار تک عورتوں سے نکاح کی اجازت دی لیکن اس آیت میں مہر کا ذکر نہیں، نکاح کے سلسلہ میں یہ آیت مطلق ہے ﴿واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم﴾.

یہ آیت مقید ہے اس میں مہر کا ذکر ہے، متقدمین کے نزدیک اس آیت کے ذریعہ سے پہلی آیت منسوخ ہوگئی مہر کے سلسلے میں، لیکن متأخرین ان صورتوں کو نسخ میں شامل نہیں فرماتے، اس لئے ان کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد کم ہے۔

علامہ سیوطی نے آیات منسوخہ کی تعداد انیس (۱۹) لکھی ہے لیکن حضرت شاہ

ولی اللہ محدث دہلویؒ نے انیس میں تاویل کر کے آیات منسوخہ کی تعداد صرف پانچ ذکر کی ہے وہ یہ ہیں:

(۱)﴿کتب علیکم اذا حضر احد کم الموت ان ترک خیراً ن الوصیة) اس آیت میں رشتہ داروں کے لیے وصیت کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو (یوصیکم اللہ فی اولا دکم) کے ذریعہ منسوخ کر دیا کہ اب رشتہ داروں کے لئے وصیت نہیں بل کہ میراث ہے۔

(۲)(ان یکن منکم عشرون صٰبرون یغلبوا مائتین) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس اگر ثابت قدم رہنے والے مومن بیس ہوں تو وہ دوسو کفار پر غالب آ جائیں گے، اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت کے ذریعہ منسوخ کر دیا (الئن خفف اللہ عنکم) جس میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، کہ اگر سو ہوں تو وہ دوسو پر غالب آ جائیں گے، پہلے حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔

(۳)﴿لایحل لک النساء من بعد﴾ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو اس سے ماقبل والی آیت کے ذریعہ منسوخ کر دیا انا احللنالک ازواجک التی۔ (الاحزاب)

(۴)﴿اذا ناجیتم الرسول فقدموا الخ﴾ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مشورہ کرنا ہو تو مشورے سے پہلے فقراء پر کچھ صدقہ کر دیا کرو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ہدیہ وغیرہ دے دیا کرو، یہ آیت اگلی آیت کے ذریعہ منسوخ کر دی گئی اس آیت پر صرف حضرت علی کو عمل کرنے کا موقعہ ملا۔

(۵)یایھا المزمل قم اللیل الا قلیلاً اس آیت میں تہجد کی فرضیت کا حکم ہے کہ ابتداء میں تہجد کی نماز فرض تھی، پھر آٹھ مہینے بعد اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو سورت کی آخری

آیت کے ذریعہ منسوخ کردیا ﴿علم ان سیکون منکم مرضی﴾ اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جوانیس آیتیں ذکر کی ہیں اکثر وہ آیات ہیں جن میں کفار کے ساتھ عفو ودرگزر اور قتال کا حکم دیا گیا، علامہ جلال الدین اس طرح کی آیتوں کو آیت جہاد سے منسوخ مانتے ہیں۔

فائدہ: اہل کتاب نسخ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ نسخ تغییر وتبدیلی کا نام ہے، لہذا کلامِ الٰہی میں کیسے تغییر وتبدیلی ہوسکتی ہے۔

اس کا جواب تو یہ ہے کہ خود ان کی شریعت میں نسخ موجود ہے۔اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے تورات کے بعض احکام منسوخ کیے۔حضرت عیسیٰؑ کا قول اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نقل کیا ہے۔ولا حل لکم بعض الذی حرّم علیکم میں تمہارے لیے حلال کروں بعض ان چیزوں کو جو تم پر حرام کردی گئیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نسخ کی وجہ سے علم الٰہی میں تغییر نہیں ہوتا ہے، بل کہ مخلوق کے حال میں تغییر کے باعث ہوتا ہے۔چوں کہ قانون کا ایک ارتقاء ہوتا ہے جو فطرت اور حالات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔(آثار)

مختار ثقفی جو مدعی نبوت اور عقیدۂ بدا کا موجد ہے۔اس نے نسخ کو بدا سے تعبیر کیا۔بدا کہا جاتا ہے۔اذا ظھر رای مخالف للرأی الاول . یعنی رائے اول کے مخالف کسی دوسری رائے کا ظاہر ہوجانا۔عقیدۂ بدا بھی فاسد ہے۔

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ نسخ کے لغوی معنی ہیں: زائل کرنا جیسے نسخ اللہ اللہ مٹادیتا ہے۔اسی طرح نسخت الشیب الشباب بڑھاپے نے جوانی کو زائل کردیا۔نسخ باقی رکھا جائے دوسرا معنی ہے نقل کرنا جیسے نسخت الکتاب میں نے کتاب کو نقل کیا۔(آثار)

اصطلاح میں نسخ کے دو مفہوم ہیں۔(۱) کسی پہلے حکم کو کسی نئے حکم کی بناء پر سرے سے ختم کر دینا۔(۲) کسی پہلے عام حکم کو دوسری نص سے خاص کر دینا، یا مطلق کو مقید کر دینا۔متقدمین کے نزدیک نسخ کی یہ دوسری قسم خوب مستعمل ہے۔

پہلی صورت کی مثال: تحویل قبلہ، وصیت اقرباء، وغیرہ

دوسری صورت کی مثال: جیسے ثلثۃ قروء تین حیض سے عدت ہر مطلقہ کے لئے عام تھی۔لیکن مطلقہ حاملہ کو اس سے خاص کر لیا گیا۔اسی طرح پاک دامن عورتوں پر الزام والی آیت عام تھی، لیکن بیوی کو اس سے خاص کر لیا گیا۔اگر کوئی اپنی بیوی پر الزام لگائے تو ۸۰/کوڑے کے بجائے لعان کا حکم ہوگا۔اسی طرح محرمات میں ایک جگہ دم کا ذکر ہے، جو مطلق ہے، لیکن دوسری آیت میں اودما مسفوحا کہا گیا پہلے والا حکم بہنے والے خون سے مقید ہو گیا۔(آثار)

پھر نسخ کی دو قسمیں ہیں: (۱) نسخ فی الاحکام (۲) نسخ فی الاخبار. اس دوسری قسم کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ابن عربی کے حوالے سے ۲۱/آیتوں کو منسوخ قرار دیا۔

(۱) كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت. (البقرہ)

یہ آیت، يوصيكم الله في أولا دكم الخ سے منسوخ ہے۔(النساء)

(۲) وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين (البقرہ)

یہ آیت فمن شهد منكم الشهر فليصمه سے منسوخ ہے (البقرہ)

(۳) كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم

یہ آیت أحل لكم ليلة الصيام الرفث إلى نسائكم سے منسوخ ہے۔

(۴) يسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه الخ

یہ آیت إنّ عدّة الشهور الخ سے منسوخ ہے۔

(۵) والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجا وصية لأزواجهم متاعا إلى الحول یہ آیت والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتر بصن با نفسهن أربعة اشهر وعشرا سے منسوخ ہے۔

(۶)وإن تبدوا ما في أنفسكم أو تخفوه الخ

یہ آیت لا يكلف الله نفسا إلا وسعها سے منسوخ ہے۔

(۷) اتقوا الله حق تقٰته

یہ آیت فا اتقوا الله ما استعطتم سے منسوخ ہے۔

(۸) والذين عقدت أيمانكم

یہ آیت وأولوا الأرحام بعضهم أولى ببعض سے منسوخ ہے۔

(۹) وإذا حضر القسمة أولو القربى الخ

یہ آیت يوصيكم الله آیت میراث سے منسوخ ہے۔

(۱۰) واللّٰتي يأتين الفاحشة من نسائكم الخ

یہ آیت الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة سے منسوخ ہے۔

(۱۱) لا تحلوا شعائر الله

یہ آیت وقاتلوا المشركين كافة سے منسوخ ہے۔

(۱۲) فإن جاء وک فاحكم بينهم الخ

یہ آیت وأن احكم بينهم بما أنزل الله سے منسوخ ہے۔

(۱۳) يأيها الذين امنوا شهادة بينكم الخ

یہ آیت فإذا بلغن أجلهن سے منسوخ ہے۔

(۱۴) إن يكن منكم عشرون صٰبرون الخ

یہ آیت الٰئن خفف الله الخ سے منسوخ ہے۔

(۱۵) إنفروا خفافا وثقالا الخ

یہ آیت لیس علی الأعمی حرج الخ سے منسوخ ہے۔

(۱۶) الزانی لا ینکح إلا زانیة

یہ آیت وانکحوا الأیامٰی منکم الخ سے منسوخ ہے۔

(۱۷) لیستاذنکم الذین ملکت أیمانکم

یہ آیت منسوخ ہے۔لیکن اس کو منسوخ ماننا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

(۱۸) لا یحل لک النساء من بعد الخ

یہ آیت إنا أحللنالک أزواجک الخ سے منسوخ ہے۔

(۱۹) إذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقة

یہ آیت ء اشفقتم أن تقدموا الخ سے منسوخ ہے۔

(۲۰) و إن فاتکم شیء من أزواجکم الخ

یہ آیت قاتلوا المشرکین کافة سے منسوخ ہے۔

(۲۱) قم اللیل إلا قلیلا .

یہ آیت علم أن لن تحصوه فتاب علیکم الخ سے منسوخ ہے۔

ان تمام آیتوں کے ناسخ اور منسوخ کو سمجھنے کے لئے کسی تفسیری کتاب کا مطالعہ کرلیا جائے۔

محاضرہ (۲۷)

امثال القرآن

امثال، مَثل، مِثل، مثیل تینوں کی جمع ہوسکتی ہے۔ مثل ایسے قول اور کلام کو کہا جاتا ہے، جس سے کسی شئی کا حال بیان کرنا مقصود ہو، کبھی یہ لفظ قصہ عجیبہ اور شان عجیب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس دوسرے مفہوم کے لیے بھی قرآن میں لفظ مثل استعمال ہوا ہے۔ جیسے مثل الجنة التی وعدالمتقون آیت کریمہ میں مثل شان عجیب کے معنی میں ہے۔ اہل بلاغت مثل سے مراد اس مجاز مرکب کو لیتے ہیں جس میں تشبیہ والا علاقہ ہو، لیکن مفسرین مثل اور امثال سے وہی مفہوم مراد لیتے ہیں جو پہلے نمبر پر مذکور ہے۔ قرآن کریم کی امثال تین طرح کی ہیں۔

(۱) امثال تصریحیہ (۲) امثال مخفیہ (۳) امثال مرسلہ۔

تصریحیہ: وہ مثل ہے، جس میں لفظ مثل وغیرہ صراحۃ موجود ہو۔ جیسے مثلھم کمثل الذی استو قد نارا (ان منافقوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی)

مخفیہ: وہ مثل ہے جس میں مثل کی صراحت تو نہ ہو لیکن وہ اہل عرب کے امثال کے مترادف ہو، جیسے خیر الامور اوساطھا تمام امور میں بہتر درمیانی ہے، اس مثل کے ہم معنی یہ آیتیں ہیں (۱) لافارض ولابکر، والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا، ولاتجھر بصلاتک ولاتخافت بھا وابتغ بین ذلک سبیلا،

و لا تجعل يدک مغلولة الى عنقک ولا تبسطها كل البسط.

(۲)لیس الخبر کالمعاینة کے ہم مثل یہ آیتیں ہیں۔

قال اولم تؤمن قال بلی

کما تدین تدان (جیسا کروگے ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا) کے ہم معنی یہ آیت ہے،من یعمل سوءً یجز بہ جو برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

(۴)لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔اس کے ہم معنی یہ آیت ہے،هل آمنكم عليه الا كما امنتكم على أخيه من قبل

(۵)من جهل شيئا عاداه ۔جو شخص کسی چیز سے ناواقف ہوتا ہے وہ اسی کا دشمن اور مخالف ہوتا ہے۔اس کے ہم معنی یہ آیت ہے ﴿واذ لم يهتدوا به فسيقولون هذا افک قديم﴾

(۶)فی الحرکات برکات کے مترادف ومن يهاجر فی سبيل الله يجدفی الارض مرٰغما كثيرا وسعة۔

(۷)لا تلد الحية الاالحية (سانپ سانپ ہی کو جنتا ہے)اس کا مرادف یہ آیت ہے۔و لا يلدوا الافاجرا كفارا .

(۸)للحيطان آذان (دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں)اس کے ہم معنی یہ آیت ہے۔ وفيكم سمّٰعون .

(۹)الجاهل مرزوق والعالم محروم (جاہل کو خوب دیا جاتا ہے اور عالم محروم رہتا ہے)اس کا مترادف یہ آیت ہے۔ من كان فی الضلٰلة فليمدد له الرحمن مدا۔

(۱۰)الحلال لا یأتیک الا قوتا والحرام الا جزافا(حلال راستے سے مختصر روزی ملتی ہےاور حرام راستے سے خوب)اذ تأتیهم حیتانهم یوم سبتهم شرعا،جب ہفتہ کا دن ہوتا تو خوب مچھلیاں ان کی طرف نکل کر آتیں۔

(۱۱)من اعان ظالما سلط علیه ۔جوظالم کی مدد کرے گا وہ اس کے اوپر مسلط ہوجائے گا،اس کے ہم معنی یہ آیت ہے من تولاه فانه یضله ویهدیه الی عذاب السعیر

(۱۲) احذر شر من أحسنت الیه. اس کے ہم معنی یہ آیت ہے۔ ومانقموا منهم الا أن أغنٰهم الله ورسوله. (آثار التنزیل مباحث فی علوم القرآن)

امثال مرسلہ: ایسے جملے جو مثل کے طور پر مستعمل ہوں،لیکن مثل کی صراحت نہ ہو جیسے .الشن حصحص الحق .ضعف الطالب والمطلوب۔لکل نبأ مستقر۔ولا یحیق المکر السئی الا بأهله .کل نفس بما کسبت رهینه.

امثال کے فائدے : امثال کے بہت سے فائدے ہیں،چند فائدے یہاں ذکر کئے جارہے ہیں۔

(۱) معقول کو محسوس صورت میں پیش کرنا،جس کے نتیجے میں ذہن اسے فوراً قبول کرلیتا ہے۔جیسے ریاکاری کے طور پر خرچ کرنے والے کی اللہ تعالیٰ نے مثال دی کمثل صفوان علیه تراب فأصابه وابل فترکه صلدا.

(۲) حقائق کو کھول کر غائب کو حاضر کے درجے میں کردینا،گویا وہ اپنے سامنے موجود ہے۔جیسے الذین یأکلون الربوٰا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطٰن من المس.

(۳) عمدہ معانی کو مختصر عبارت میں ادا کر دینا۔ جیسے امثالِ کامنہ اور امثالِ مرسلہ کی ساری مثالوں سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو رہی ہے۔

(۴) ترغیب۔ جیسے مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله کمثل حبة انبتت سبع سنابل .

(۵) ترہیب، ڈرانا اور مکروہ ہونے کو بتانا۔ جیسے ایحبّ احد کم ان یأ کل لحم اخیه میتا فکرهتموه .

(۶) مدح کا مقصود ہونا۔ جیسے ذلک مثلهم فی التورلة ومثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطئه .

(۷) قباحت اور مذمت کا مقصود ہونا۔ جیسے فمثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث أو تترکه یلهث .

(۸) مضمون کو اَوقع فی النفس کرنا، اس فائدے کو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں بیان فرمایا: ﴿ولقد ضربنا للناس فی هذا القرآن من کل مثل لعلهم یتذکرون﴾

اقسام القرآن: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مضامین کو قسم کے ساتھ ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک شئی کی قسم کی اجازت ہے، حسن بصری فرماتے ہیں:

انّ الله یقسم بما شاء من خلقه، ولیس لاحدان یقسم الا بالله اللہ اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی قسم کھانا چاہیں کھا سکتے ہیں، لیکن مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کے سواء کسی کی قسم کی اجازت نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من حلف بغیر الله فقد أ شرک

جس نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کہیں اپنی قسم کھائی ہے! جیسے قل اِی وربی .فوربک لنسئلنھم اجمعین . لیکن اکثر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی قسم کھائی ہے کہیں والتین والزیتون سے، کہیں واللیل سے، کہیں والنھار سے، کہیں والشمس، کہیں والقمر، کہیں والضحیٰ .

قسم کی قسمیں :

قسم کی دو قسمیں ھیں :(۱) قسم صراحتہً موجود ہو۔ جیسے لا اقسم بھذا البلد وغیرہ یا حروف قسم واو، باء، تاء، اور لام میں سے کوئی حرف ہو۔

(۲) قسم محذوف ہو۔ جیسے لتبلونّ فی اموالکم .ای واللہ یہ قسم شروع میں محذوف ہے۔

قسم کے فائدے: قسم کے چار فائدے ہیں۔

(۱) شکوک وشبہات کو زائل کرنا۔

(۲) مخالف پر حجت اور دلیل قائم کرنا۔

(۳) خبروں کو مؤکد کرنا۔

(۴) حکم کو کامل صورت میں ذکر کرنا۔

ایک اعرابی نے جب قرآن کی قسموں کو سنا تو کہنے لگا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے کتنی محبت ہے کہ بار بار قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں، تاکہ بندے میری بات مان کر جہنم سے بچ جائیں۔

قصص القرآن : قصص کے لغوی معنی ہیں، نشان قدم پر چلنا۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے﴿فارتدا علی آثار هما قصصا﴾ وہ دونوں اپنے نشان قدم پر لوٹے۔

اصطلاحی تعریف: ایسا کلام جو گذشتہ قوموں، حادثوں، اور واقعات کو بتائے۔ قرآن پاک میں تین قسم کے قصے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) انبیاء کرام کے قصے۔

(۲) وہ قصے جو گذشتہ انسوں، شخصیتوں اور دیگر امور سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) وہ قصے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً غزوات وغیرہ کے احوال۔ اور سارے قصے حقیقی ہیں۔ وہمی اور خیالی نہیں۔

قصے کے فائدے: قصے کے بہت سے فائدے ہیں۔ چند فائدے یہاں ذکر کئے جارہے ہیں۔

(۱) دعوت کی بنیادوں اور اصول شریعت کو واضح کرنا۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو جمانا،﴿وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فؤادک﴾ اسی طرح ہم آپ سے گذشتہ انبیاء کے قصے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کے دل کو جمادیں۔

(۳) گذشتہ انبیاء کی تصدیق ہوجائے اور آپ کی بھی تصدیق ہو کہ جو کچھ آپ بتارہے ہیں وہ حق ہے۔

(۴) گذشتہ انبیاء کے تذکرے زندہ ہوں، اور دائمی طور پر قرآن میں محفوظ ہوجائیں۔

(۵) سامع کے ذہن میں بات کو جمانا۔ چوں کہ قصوں میں رغبت اور شوق ہوتا ہے۔ اور رغبت وشوق سے سنی ہوئی باتیں ذہن میں جم جاتی ہیں۔

محاضرہ (۲۸)

محکم ومتشابہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں محکم ومتشابہ دونوں طرح کی آیات نازل فرمائیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿هو الذی انزل علیک الکتٰب منه اٰیٰت محکمٰت هن ام الکتٰب واخر متشابهٰت﴾ (آل عمران) وہ ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو جس میں کا ایک حصہ وہ ہے، جو اشتباہ مراد سے، محفوظ ہے اور یہی آیتیں اصل مدار ہیں، اور دوسری آیتیں مشتبہ المراد ہیں۔

محکم: احکام سے بنایا گیا، جس کے لغوی معنی ہیں، روک لگانا۔ اسی سے حاکم کا لفظ مستعمل ہے، اس لئے کہ وہ لوگوں کو ظلم سے روکتا ہے، جانور کی لگام کو حکمة بولا جاتا ہے جو جانور اور گھوڑے کو اِدھر اُدھر حرکت سے روکتی ہے۔

اصطلاحی تعریف میں کئی اقوال ہیں:

(۱) ایسی آیات جو امر ونہی، حلال وحرام کے اعتبار سے محکم اور مضبوط ہوں، جیسے اقیموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة جیسی آیتیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ایسی تمام آیتیں جو ناقابل نسخ ہوں وہ محکم کہلاتی ہیں۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ ایسی آیتیں جو تفسیر میں صرف ایک ہی صورت کا احتمال رکھیں۔

متشابہ: اشتباہ سے بنایا گیا ہے، جس کے معنی ہیں ظاہر اللفظ ومعنی کا مشتبہ

ہونا، اپنے ہم شکلوں میں داخل ہوجانا۔

اصطلاحی تعریف میں کئی اقوال ہیں :

(۱) ایسی آیات جن کے مضامین والفاظ ایک دوسرے کے مشابہ ہوں۔

(۲) ایسی آیات جو منسوخ غیر معمول بہا ہوں۔

(۳) حروف مقطعات کو متشابہ کہا جاتا ہے۔

(۴) ایسی آیات جن پر ایمان رکھنا ضروری ہو، اور قطعی مراد اور علم اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا جائے، یہی تعریف راجح ہے۔

متشابہ کے فائدے: اوپر کی تشریح سے یہ بات معلوم ہوئی کہ متشابہ دو طرح کے ہیں۔ (۱) ایک تو وہ جس کی مراد تدبر و تفکر سے معلوم ہوجائے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جس کی مراد معلوم نہ ہو۔

اگر اس کے معانی تدبر سے سمجھ میں آنے والے ہوں تو ایسے متشابہ کا فائدہ غور وفکر کا عادی بنانا ہے، کہ علماء دقت نظر کے ذریعے اس کے غوامض کو سمجھیں، اور محنت کے عادی بنیں۔ اگر ایسی متشابہ آیات قرآن میں نہ ہوتیں تو علماء کی فضیلت ظاہر نہ ہوتی۔ اور اگر معانی سمجھ میں نہیں آنے والے ہیں تو اس کے دو فائدے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی جانب سے علماء کے لئے آزمائش کہ ایسی آیتوں کے پیچھے پڑ کر قرآن کے سلسلے میں ہمہ دانی کا دعویٰ تو نہیں کرتے۔

(۲) مشرکین اہل عرب کے لئے ایک چیلنج ہوجائے کہ تم اہل زبان ہونے کے باوجود نہیں سمجھ پارہے ہو گویا قرآن کے الفاظ بھی معجز ہیں اور معانی بھی معجز ہیں۔

(البرہان، ج۲ ص۷۶)

کیا قرآن میں تعارض ہے؟:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام تعارض اور تناقض سے محفوظ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا﴾ اگر یہ قرآن غیر اللہ کی جانب سے ہوتا تو وہ بہت اختلاف پاتے، غرض یہ کہ قرآن کریم تعارض وتناقض سے محفوظ ہے۔ اور ظاہراً جو تناقض نظر آتا ہے اس کے چند اسباب ہیں۔

(۱) مخبر بہ کے احوال کا متعدد اور مختلف ہونا، مثلاً آدمؑ کی تخلیق میں کہیں من تراب (مٹی) کا لفظ ہے اور کہیں من طین (گیلی مٹی) اور کہیں من حماء مسنون (بدبودار کیچڑ) اور کہیں من صلصال (بجنے والی) یہ اختلاف درحقیقت احوال وادوار کا ہے۔ پہلا مرحلہ تراب کا تھا، پھر اس میں پانی ملا دیا گیا تو طین ہوگیا، پھر کچھ دنوں کے لیے چھوڑ دیا گیا تو اس میں بدبو پیدا ہوگئی، پھر سوکھ کر وہ بجنے لگی اور اسی آخری حالت والی شکل سے آدمؑ کو پیدا کیا گیا۔

(۲) موضوع کا مختلف ہونا: مثلاً ایک مقام پر ہے وقفوھم انھم مسئولون ان کو روکو ان سے کچھ پوچھا جائے گا، دوسری جگہ ارشاد ہے لا یسئل عن ذنوبھم المجرمون مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت دونوں آیتوں کا موضوع اور مسئول عنہ الگ الگ ہے۔ جہاں سوال کا ذکر ہے اس سے مراد توحید ورسالت اور عقائد کے متعلق سوالات ہیں۔ اور جہاں سوال کی نفی کی گئی، وہاں کا موضوع اور مسئول عنہ گناہ ہے یا یہ توجیہ کی جائے کہ تحقیق اور جان کاری کے لیے سوال نہیں کیا جائے گا وہ تو عالم الغیب ہے، ایک ایک پوشیدہ اور ظاہری چیز کو جاننے والا ہے، ہاں زجراً وتوبیخاً سوال ہوگا۔

اسی طرح ایک آیت میں ہے، وجزٰؤا سیئة سیئة مثلها برائی کا بدلہ اسی کے برابر ہوگا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے یضٰعف لہ العذاب کہ مجرموں کو دوگنی سزا دی جائے گی اس کا جواب یہ ہے عذاب کی تضعیف اس لیے ہوگی کہ جرم دو چند ہوں گے یا ایک سزا ضلالت کی اور دوسری سزا اضلال (گمراہ کرنے) کی۔

ایک تیسری مثال ہے۔ اتقوا اللہ حق تقٰته اور فاتقوا اللہ ما استطعتم دونوں میں تعارض ہے یہاں پر بھی موضوع الگ الگ ہے، پہلی آیت کا تعلق توحید سے ہے اور دوسری آیت کا تعلق اعمال واحکام سے ہے۔

(۳) دونوں فعلوں کی جہت مختلف ہو: مثلاً فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم اس میں قتل کی نسبت مباشرت اور کسب کی بنیاد پر ہے، اور قتل کی نفی تاثیر کی بنیاد پر ہے کیوں کہ مؤثر بالذات ہر شیء میں اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ یہی تاویل وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمیٰ میں کریں گے۔

(۴) حقیقت اور مجاز کی بنیاد پر اختلاف ہو: مثلاً وترى الناس سكرىٰ وماهم بسكرىٰ اے مخاطب تو لوگوں کو نشہ کی حالت میں دیکھے گا حالاں کہ وہ نشے میں نہ ہوں گے۔ پہلے سکاریٰ سے مراد مجازاً نشے والے ہیں۔ اور دوسرے سکاریٰ سے جس کی نفی کی گئی حقیقی نشے والے لوگ مراد ہیں۔ بالکل ایسی ہی تاویل ویاتیه الموت من كل مكان وما هو بميت میں کریں گے، کہ جہنمی کے پاس موت ہر طرف سے آئے گی لیکن وہ مرنے والے نہیں ہوں گے۔

(۵) معنوی وجوہ اور حیثیت الگ الگ ہو، جیسے فبصرك اليوم حديد کہ آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے، اور ایک دوسری آیت ہے، ينظرون من طرف خفي کہ

مشرکین دزدیدہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں گے، پہلی آیت میں بصر سے مراد رؤیت یعنی آنکھ سے دیکھنا نہیں، بل کہ علم ومعرفت مراد ہے۔

دوسری مثال .وتطمئن قلوبهم بذكر الله ۔اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان لوگوں کے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔دوسری جگہ ارشاد باری ہے وجلت قلوبهم کہ جب قرآن کی تلاوت ہوتو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، یہاں بھی دونوں کی جہت الگ الگ ہے۔پہلی آیت میں اطمینان کا تعلق شرح صدر اور توحید کے یقین کے ساتھ ہے، اور دوسری آیت میں خوف کا تعلق ہدایت سے ہٹ جانے اور گمراہی میں مبتلا ہونے سے ہے، کہ وہ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ہدایت سلب نہ ہو جائے۔

آیات اور احادیث میں تعارض:

کبھی کبھی قرآنی آیات اور احادیث میں تعارض ظاہراً ہو جاتا ہے، جیسے سورہ مائدہ میں ہے، واللہ یعصمک من الناس اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت کریں گے، حالاں کہ حدیث میں ہے قد شُجَّ یوم احد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد کے دن زخمی کیا گیا، اس کے دو جواب ہیں:

ایک یہ کہ حفاظت کے وعدہ کی آیت بعد میں نازل ہوئی، چوں کہ سورہ مائدہ سب سے اخیر میں نازل ہونے والی سورت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قتل سے حفاظت کا وعدہ ہے۔دوسری مثال قرآن میں ہے ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون تم جنت میں اپنے اعمال کے سبب داخل ہو جاؤ، حالاں کہ حدیث میں ہے لن ینجوا احدکم بعملہ (ریاض الصالحین) تم میں سے کوئی اپنے عمل کی بناء پر جنت میں داخل نہ ہوگا اس کے بھی دو جواب ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ دخول تو فضل سے ہوگا لیکن درجات اعمال کے سبب ہوں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت قرآن میں باء عوض کے لیے نہیں، بل کہ مقابلے کے لیے ہے کیوں کہ عوض میں دینے والا کبھی کبھی مجاناً اور مفت میں بھی دیدیتا ہے۔(البرہان:۲/۶۷)

اگر ان ساری بحثوں کا اچھی طرح جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن میں کوئی تعارض نہیں اور جہاں کہیں بھی ظاہراً تعارض وتناقض نظر آتا ہے وہ ہماری کوتاہ علمی کا نتیجہ ہے۔اس موضوع پر ایک بہترین کتاب ''انوار الدرایات'' ہے

فواتح سُوَر اور حروف مقطعات:

الٓمٓ،حٰمٓ ،طٰہٰ،یٰسٓ ،ان جیسے کلمات جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں تو ان کو فواتح السور اور حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔مقطعات کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان حرفوں کو کاٹ کاٹ کر اور الگ الگ کر کے پڑھا جاتا ہے۔مقطعات کی مراد کوئی انسان نہیں جانتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مراد جانتے تھے۔علماء نے حروف مقطعات کے بارے میں فرمایا سر بین اللہ ورسولہ ،اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک راز ہے۔(نور الانوار)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ علماء راسخین بھی اس کی مراد جانتے ہیں۔اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ احناف،وما یعلم تأویلہ الا اللہ، پر وقف کرتے ہیں۔اور حضرات شوافع کہتے ہیں والرّٰسخون فی العلم پر وقف کریں گے،یعنی اللہ تعالیٰ اور راسخین اس کے مطلب کو جانتے ہیں۔ہم کہتے ہیں والراسخون کا تعلق یقولون امنا بہ سے ہے۔یعنی راسخین فی العلم ایسی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور قطعی علم اللہ تعالیٰ کے

حوالے کردیتے ہیں۔

لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ شوافع حضرات بھی قطعی مراد کے قائل نہیں، بل کہ ظنی مراد کے قائل ہیں۔ اور احناف ظنی مراد کی نفی نہیں کرتے بل کہ قطعی مراد کی نفی کرتے ہیں ظنی مراد علماء راسخین جانتے ہیں غرضیکہ یہ اختلاف صرف لفظی ہے۔

حروف مقطعات کے نزول کی حکمتیں:

حروف مقطعات کے نازل کرنے میں کئی حکمتیں ہیں۔

(۱) اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ نے چھپالیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کے الفاظ بھی معجز ہیں، اور معانی بھی معجز ہیں۔

(۲) کوئی شخص قرآن کے سلسلہ میں ہمہ دانی کا دعوی نہ کرے۔

(۳) عالم و جاہل دونوں کی آزمائش ہو، اور ہر شخص کی آزمائش اس کے نفس کے خلاف چیزوں میں ہوتی ہے تو عالم کی خواہش ہوتی ہے ہر چیز کا علم حاصل کروں، تو اس کی آزمائش یہ ہے کہ ایسی آیتوں کی طلب سے رک جائے، اور جاہل کی آزمائش یہ ہے کہ اس کے اندر کچھ علم کی طلب اور تڑپ پیدا ہو۔

(۴) مشرکین نے جب یہ پروگرام بنایا کہ جب قرآن کریم کی تلاوت ہو تو تم شور وغل کیا کرو تو اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات کو نازل کرنا شروع کیا، یہ کلمات ان کے لئے بالکل انوکھے تھے، وہ سنتے ہی حیران و ششدر ہو جاتے سوچ میں پڑ جاتے اور شور وغل نہ کر پاتے۔

مبہمات القرآن: بہت سے مقامات پر قرآن نے بعض چیزوں کو مخفی رکھا ہے، اس کی وجوہات مختلف ہیں۔ چند وجہیں یہاں ذکر کی جارہی ہیں۔

(۱) بیان کی ضرورت نہ ہونا۔ یعنی سیاق وسباق سے اس کی وضاحت

ہوجاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بیان کی ضرورت محسوس نہ کی، جیسے مالک یوم الدین ،وہ بدلہ کے دن کا مالک ہے۔ بدلہ کے دن کی تفصیل وتشریح دوسری آیتوں میں موجود ہے۔

(۲) شہرت کے سبب۔ جیسے اسکن انت وزوجک الجنة، آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہائش اختیار کریں۔ اس سے مراد آدم اور حواء ہیں جو نہایت مشہور ہیں، اسی طرح الذی اشتراہ من مصر ،وہ خریدنے والا عزیز مصر تھا، جو بہت مشہور ہے۔ ابراھیمؑ سے بحث ومباحثہ کرنے والا نمرود جس کا ذکر تیسرے پارے میں ہے۔ الم تر الی الذی حاج ابراھیم الخ، اسی طرح واتل علیهم نبأ ابنی آدم بالحق۔ آپ آدم کے دونوں بیٹے (ہابیل اور قابل) کا قصہ ٹھیک ٹھیک سنائیں۔ لمسجد اسس علی التقوی، یقیناً مسجد جس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی یہ مسجد قباء ہے۔

(۳) ستر اور چھپانا مقصود ہو۔ جیسے او کلما عٰهدوا عهدا نبذه فریق منهم، وہ عہد توڑنے والا فریق مالک بن صیف کے لوگ تھے۔ وقالت طائفة من اهل الکتٰب، ومن الناس من یعجبک ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ چھپانا چاہ رہے ہیں۔

(۴) تعیین میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہو۔ جیسے أو کالذی مر علی قریة، اس بستی سے مراد بیت المقدس ہے ﴿وَسْئَلْهُم عن القریة التی کانت حاضرة البحر﴾ اس بستی سے مراد ایلہ یا طبریہ ہے، اسی طرح فلو لا کانت قریة آمنت الخ اس آیت میں حضرت یونس علیہ السلام کی بستی نینویٰ مراد ہے۔

(۵) عموم پیدا کرنا، تاکہ اس قسم کے سارے لوگ اس میں شامل ہوجائیں۔ جیسے ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله، تمام مہاجرین کو یہ آیت شامل ہوجائے

۔حضرت عکرمہ کہتے ہیں میں نے چودہ سال کوشش کی کہ معلوم ہوجائے یہ کون صحابی ہیں۔اس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ضمرہ بن العیص ہیں۔

اسی طرح الذین ینفقون اموالھم، اور ویطعمون الطعام علی حبہ، یہ سب آیتیں حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئیں،لیکن متعین نہ کرنے سے عموم پیدا ہوگیا۔

(۶)وصف کامل کوذکر کرنا۔جیسے ولا یاتل اولوا الفضل ،اولوالفضل سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔والذی جاء بالصدق وصدق بہ،سچ لانے والے آپصلی اللہ علیہ وسلم اور تصدیق کرنے والے ابوبکرؓ ہیں۔

(۷)تحقیر۔جیسے ان شانئک ھو الأبتر،اللہ تعالیٰ نے دشمن کوتحقیراً متعین نہیں کیا۔وہ عاص بن وائل ہے۔(البرہان: جلد۱ص۲۶۶)

محاضرہ(۲۹)

ارض القرآن

سرزمینِ عرب نزول قرآن کے بعد جتنی روشن ہوئی نزول قرآن سے پہلے اسی قدر تاریک تھی، قرآن نے بر سبیل عبرت، واظہار واقعہ ملک عرب کے متعدد اقوام واشخاص کے حالات بیان کیے، ان اقوام واشخاص اور اقطاع، ملک کے تاریخی، سیاسی قومی ومذہبی، جغرافیائی حالات کی تفصیل کی قدرے ضرورت ہے۔

یہی ارض القرآن کا موضوع ہے، قرآن کریم میں بہت سی قوموں، شہروں اور مقامات کے نام ہیں جن کی صحیح تاریخ سے لوگ عام طور پر ناواقف ہیں، ان کے جاننے کے یہ ذرائع ہیں۔

(۱) قرآن (۲) روایات تفسیر (۳) اسرائیلیات (۴) عام ذریعہ روایات خاندانی باتیں جو نسلاً بعد نسل عربوں میں محفوظ رہیں (۵) عرب کے اشعار وامثال، عربوں کی تاریخ لکھنے کا سلسلہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ہوا۔ عبید بن شریہ، ابوعبیدہ، عوانہ، ہشام یہ وہ مصنفین ہیں جنہوں نے خالص عرب کی قدیم تاریخ لکھی، بعد میں جغرافیہ عرب پر بھی کتابیں لکھی گئیں۔

عرب: عرب یہ لفظ اعراب سے مشتق ہے، جس کے معنی زبان آوری اور اظہار مافی الضمیر کے ہیں، چوں کہ عرب کی قوم نہایت زبان آور فصیح اللسان تھی اس لیے انہوں نے اپنا نام عرب رکھا۔ علماء انساب کہتے ہیں کہ اس کا اصل باشندہ

یعرب بن قحطان ہے، جو یمنی عربوں کا پدر اعلیٰ ہے، بعض نے کہا کہ اس علاقے کو ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے عرب کہا جاتا ہے، عرب کا ملک حدود طبعی کے لحاظ سے ایک جزیرہ نما ہے، اور بالکل دنیا کے قلب میں واقع ہے، اس سے قریب مشرق میں فارس، جنوب میں ہندوستان، مغرب میں حبشہ، سوڈان، مصر، اور شمال میں ملک شام، الجزیرہ اور عراق واقع ہیں۔

اقطاع عرب: عرب جغرافیہ نویسوں نے عرب عراق، عرب شام ان دونوں کو چھوڑ کر عرب کو ان پانچ صوبوں میں تقسیم کیا ہے (۱) تہامہ (۲) حجاز (۳) نجد (۴) یمن (۵) عروض۔

اس تقسیم کا اصل معیار جبل السراۃ ہے، جو عرب کا سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ ہے، یہ سلسلہ انتہاء شمال میں شام سے شروع ہو کر انتہاء عرب یمن میں ختم ہوتا ہے، اس سلسلے نے عرب کو مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ مغربی حصہ مشرقی حصے سے چھوٹا ہے۔ وہ مغربی حصہ عرضاً طولاً شام کے حدود سے یمن تک پھیل گیا ہے، اس حصہ کا نام حجاز ہے، حجاز کا جنوبی حصہ بطرف یمن جو نشیب اور پست ہے وہ تہامہ اور غور کہلاتا ہے، مشرقی حصہ عموماً بلند اور اونچا ہے، وہ کوہ سرات سے اتر کر عراق تک چلا گیا ہے، یہ نجد کہلاتا ہے، تہامہ اور نجد کے کوہستانی حصہ کو حجاز اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دونوں کے درمیان آڑ ہے، عراق اور جنوبی نجد سے خلیج فارس تک یمامہ، عمان، بحرین وغیرہ کو عروض کہتے ہیں، عروض کے معنی ترچھا ہونے کے ہیں، اور بحر عرب سے سواحل بحر عمان تک وہ قطعہ ملک یمن جو برکت اور زرخیزی میں مشہور ہے یمن کہلاتا ہے۔ (ارض القرآن ۸۷)

عروض (عروض کے شہروں میں یمامہ، بحرین، عمان ہیں)

یمامہ : عروض کے شہروں میں یمامہ ہے جو زمانہ اسلام کے قریب قبیلہ بنو حنیفہ کا مسکن تھا، اسی قبیلے کا مسیلمہ کذاب تھا، جس نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا۔

بحرین : اس کا دوسرا نام الاحساء ہے ساحلی شہر ہے، ۶ھ میں یہاں کے حاکم منذر بن ساوی تھے، جو اپنی تمام رعایا کے ساتھ مسلمان ہو گئے، یہاں سے بنو عبدالقیس کا وفد بھی حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔

عمان : بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے، یہ شہر آج کل مستقل حکومت کے ماتحت ہے، جہاں کا دارالسلطنت مسقط ہے، یہاں کے گھوڑے، گائے، بکریاں بہت مشہور ہیں، پہاڑ سے معدنیات، دریاؤں سے موتی، جنگلوں میں خوشبودار لکڑیاں خوب ہیں، یہ عمان بن قحطان کی طرف منسوب ہے، اس کی ایک شاخ قبیلہ ازد اسلام سے پہلے سے یہاں آباد تھی۔

نجد : عرب کا مشہور قبیلہ بکر بن وائل کا مسکن تھا، کلیب جس سے بڑھ کر جاہلیت میں کوئی معزز نہیں تھا، وہ بکر بن وائل کا سردار تھا، عربی زبان کو نجد کی آب وہوا سے عجیب مناسبت ہے، بہلبل جو عربی شاعری کا آدم کہلاتا ہے، یہیں کا باشندہ تھا، امرؤالقیس جو عرب کا ملک الشعراء کہلاتا ہے، اسی نجد کی حکومت کندہ کا آخری شہزادہ تھا، اور آج جب کہ فصیح عربی زبان کا کہیں وجود نہیں لیکن یہاں کے پہاڑوں میں آج بھی فصیح عربی بلا احتیاط موجود اور محفوظ ہے، ظہور اسلام کے وقت یہاں قبیلہ غطفان آباد تھا، جس کی تادیب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۴ھ میں تشریف لے گئے، اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑا۔ (ارض القرآن)

یمن: عرب کا سب سے زیادہ سرسبز اور متمدن صوبہ ہے، ترقی زراعت کے لئے وادیوں میں بڑے بڑے بند بنائے گئے جو سد مآرب سے مشہور ہوئے، یہاں عاد،

سبا،حمیر،تبابع،کی عظیم سلطنتیں قائم ہوئیں۔

ظہور اسلام کے وقت فارس کی طرف سے باذان یہاں کا گورنر تھا،جو ۷ھ میں مسلمان ہوا،وہاں زیادہ تر یہود تھے،وہ سب کے سب ۱۰ھ میں حضرت علیؓ کے ہاتھ پر مشرف بااسلام ہوئے،یمن کا ایک مشہور قبیلہ ہمدان بھی ہے،جو پورا عرب قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہوا۔

یمن کے مشہور شہر یہ ہیں:(۱)حضرموت(۲)احقاف(۳)صنعاء(۴)نجران (۵)عسیر۔

حضرموت اور احقاف عاد وثمود کے مسکن رہے ہیں۔

احقاف اصلاریت کے لمبے خمدار ٹیلے کو کہتے ہیں اور حضرموت یمن کے پدر اول قحطان کے ایک بیٹے کا نام ہے۔

صنعاء ملکہ سبا اسی سرزمین کی شہزادی تھی،سد مآرب بھی یہیں تھا،اب یہاں زیادہ تر زیدی طریقے کے مسلمان آباد ہیں جو عقائد میں معتزلہ کی ایک شاخ ہے۔

نجران،روم اور حبش کی کوششوں سے یہاں عیسائیت بہت پھیل گئی تھی ایک شاندار کلیسا بھی تعمیر کیا گیا جو کعبہ نجران سے مشہور ہوا۔

عسیر: حجاز،اور صنعاء کے مابین واقع ہے،لیکن یہاں کے باشندے زیادہ تر اہلحدیث ہیں۔

حجاز: بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل صوبہ ہے،توریت میں اس کا نام فاران بتایا گیا،اس کا سب سے بڑا شہر جدہ ہے جو کہ بندرگاہ ہے،دوسرا شہر ینبوع ہے جو مدینہ کی بندرگاہ ہے،اندرون حجاز بڑے شہروں میں مکہ،مدینہ،اور طائف ہیں۔

مکہ: اس کا لقب ام القری ہے۔ یہ شہر ایک بوڑھے پیغمبر (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کی بناء اور ایک جوان پیغمبر (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی ہجرت گاہ ہے اور ایک یتیم پیغمبر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کا مولد ہے، اس شہر کو دو ہزار قبل مسیح، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے آباد کیا تھا اور انہیں کی اولاد مکہ میں غالب رہی، ان کے بعد قحطانی قبائل غالب رہے، ان کے بعد قصی جو قریش کے پدر اعلیٰ ہیں۔

مدینہ: قبل ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نام یثرب تھا، گرمی میں یہاں درجہ حرارت ۴۸/ ڈگری تک پہونچ جاتا ہے۔ اور سردی میں دن کو صفر سے دس درجہ اوپر اور رات میں صفر سے پانچ درجہ نیچے ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ پانی جم جاتا ہے۔ پہلے یہاں قوم عمالقہ آباد تھی لیکن ظہور اسلام کے وقت اوس وخزرج اور یہود کے بعض قبائل آباد تھے اوس وخزرج قبیلہ ازد کی شاخ ہے ہیں۔

طائف: یہ حجاز کی جنت ہے بے انتہاء سرسبز وشاداب ابتداء میں قبیلہ عدوان کا مسکن تھا بعد میں مشہور قبیلہ بنوثقیف کے قبضے میں آیا ۸ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا، ۹ھ میں سردار ثقیف عروہ بن مسعودؓ نے اسلام قبول کیا، جس کی بناء پر قوم نے ان کو قتل کر دیا لیکن ان کی دعوت بے اثر نہ رہی، اسی سال پورا قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر مشرف با اسلام ہو جاتا ہے۔

نوٹ: مدینہ کے جوار میں کچھ اور مقام قابل ذکر ہیں۔ جوف، ثمود، تبوک، خیبر، مدین مدینے سے کچھ آگے بجانب شمال وہ میدان میں واقع ہے جہاں قوم ثمود آباد تھی جس کو جوف اور وادیٔ قریٰ کہا جاتا ہے، اس کا پایۂ تخت حجر تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے ﴿ولقد كذب اصحاب الحجر المرسلين﴾۔

۹ھ میں تبوک جاتے ہوئے اس شہر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا، اس سے متصل تیماء جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک بیٹے کی طرف منسوب ہے، جو اِس وقت حجاز کا ریلوے اسٹیشن ہے، حجر کے بعد دوسرا اسٹیشن المعظم ہے، اس کے بعد تیسرا اسٹیشن تبوک ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں کی مدافعت کے لئے ۹ھ میں تشریف لے گئے، مدینہ کی مغرب جانب خیبر ہے، جو یہودیوں کی جنگی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا، حجر کے مقابل مغرب کی جانب مدین ہے، جو موسیٰ کا دارالھجرۃ اور ان کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن تھا، اس کے صحراء میں بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد ٹھہرے۔

عرب شام : ظہور اسلام کے وقت رومیوں کے زیر سایہ عیسائی اور یہود قابض تھے، اسلام سے کچھ پہلے یہاں بنوجفنہ کی حکومت تھی جو غساسنہ سے مشہور ہوئے، قبیلہ جہینہ کی متعدد شاخیں یہاں تھیں، زباء یہیں کی ملکہ تھی جو عربوں میں بہت ضرب المثل رہی۔

عرب عراق : عمالقہ نے یہاں ایک شاندار حکومت قائم کی تھی، قبیلہ ربیعہ کی بھی ایک شاخ یہاں پر آباد تھی، اسی سرزمین پر کوفہ اور بصرہ بھی آباد ہوئے یہ دونوں شہر خالص عربی تمدن کا مظہر رہے ہیں، ظہور اسلام کے وقت ایرانیوں کے ماتحت عرب کا ایک خاندان مناذرہ یہاں کا فرمانروا تھا اس کا پایہ تخت کوفہ سے متصل شہر حیرہ تھا۔

محاضرہ(۳۰)

اقوام ارض القرآن

علم الأقوام اور علم الألسنۃ کے ماہرین نے اقوام عالم کو زبان کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) اریانی، ہندوستان، ایران، فرنگستان کے لوگ ہیں۔

(۲) تورانی، ترکستان، چین، منگولیا کی قومیں ہیں۔

(۳) سامی، عرب، عبرانی، سریانی، کلدانی، یہ حضرات مراد ہیں۔

لون (رنگ) کے اعتبار سے بھی تین قسمیں ہیں:

(۱) ابیض: (امم سامیہ اور فرنگستان کے لوگ ہیں۔)

(۲) اسود: باشندگان افریقہ مراد ہیں۔

(۳) اصفر: جاپان، چین بقیہ امم تورانیہ۔

توریت کی تقسیم نوح کے تین بیٹوں سے ہے:

(۱) بنو یافث (۲) بنو حام (۳) بنو سام

بہر حال تینوں تقسیم کے اعتبار سے عرب امم سامیہ میں شامل ہیں، اور ان کا مسکن عرب ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

عاد اُولیٰ: اقوام سامیہ میں سب سے قدیم عاد ہے، قرآن نے عاد کو خلفاء قوم نوح میں شامل کیا ہے، تین ہزار قبل مسیح سے یہ قوم ہے، بنو سام کی پہلی ترقی عاد سے

ہوتی ہے، اس لیے عاد کوقرآن نے عاد اولیٰ کہا ہے ،عاد کی مرکزی آبادی یمن اورحضرموت سے ہے،امم سامیہ میں سے عاداولیٰ کی دو جولان گاہیں تھیں:(۱)اندرون عرب(۲)بیرون عرب،یعنی بابل،مصر وغیرہ۔

یہ حضرات بڑے طاقت ور تھے،اس لیے غرور آگیا اور یہ کہہ بیٹھے"من اشد منا قوۃ" کون ہم سے زیادہ طاقت ور ہے،بت پرستی بھی ان میں شروع ہوگئی،اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور رہنمائی کے لیے ہودؑ کو بھیجا،نہیں مانے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کردیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"اھلک عادا ن الأولی"(النجم) عادِاولیٰ کو اس نے ہلاک کردیا، عادِاولیٰ کی ہلاکت کے بعد جو ایمان والے بچ گئے،وہ عادثانیہ سے مشہور ہوئے، ان میں لقمان نامی ایک مشہور بادشاہ ہوئے،اور ایک قول کے مطابق یہی حکیم لقمان سے مشہور ہوئے۔

ثمود: عادِاولیٰ کی ہلاکت کے بعد ایک اور طاقت ور قوم ابھری،جس کا نام ثمود تھا،عاد کی جانشینی حاصل ہوئی،ثمود"ثمد" سے بنا ہے،جس کے معنی آب قلیل کے ہیں، بعض نے ثامد سے مانا ہے،جس کے معنی خالد اور دائمی کے ہیں۔یہ لوگ وادی قری میں آباد تھے،یہ چھوٹی چھوٹی بہت سی بستیاں تھیں،جن کا دارالسلطنت حجر تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿وثمود الذین جابوا الصخر بالواد﴾ تیرے رب نے کیسا معاملہ کیا،ثمود کے ساتھ،جنہوں نے وادی قری میں چٹانوں کو تراشا،فن تعمیر میں بڑے ماہر تھے۔انہوں نے خدائے واحد کو چھوڑ کر بتوں اور ستاروں کے سامنے سر جھکایا،اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو بھیجا،لیکن نہیں مانے اور ہلاک کیے گئے،جو ہلاکت سے بچ گئے وہ ثمود ثانیہ سے مشہور ہوئے۔

جرہم : یہ قبیلہ حجاز میں آباد ہوا، حضرت اسماعیلؑ ۲۲۰۰ ر قبل مسیح یہاں تشریف لائے، اور انہوں نے اس قبیلے کو یہاں جگہ دی، اسی خاندان میں آپ نے شادی بھی کی، جرہم اولیٰ عادِ اولیٰ کا معاصر تھا، اور جرہم ثانیہ قحطان کا بیٹا تھا گویا اصلاً جرہم یہ دو شخص ہیں، ایک جرہم اولیٰ، دوسرا جرہم ثانیہ۔ جرہم اولیٰ تو مکہ میں رہے اور جرہم ثانیہ کا ایک دوسرا بھائی تھا، یعرب بن قحطان۔ یہ یمن کے مالک اور حاکم بنے، اور عربوں کی اصل ٹھہرے بل کہ کہا جاتا ہے کہ عربی زبان اللہ تعالیٰ نے بطور الہام یعرب بن قحطان کو ہی سکھائی تھی۔

طسم اور جدیس: امم سامیہ میں سے یہ دو قبیلے یمامہ میں آباد تھے

سباء : جیسا کہ بتایا گیا کہ قحطان کے بیٹے جرہم سے ایک قبیلہ مکہ میں بسا اور ایک یمن میں، جرہم کے یہ لوگ امم قحطانیہ سے مشہور ہوئے، اور ان کی سب سے بڑی شاخ سبا ہے۔ سبا اصل میں جد قبیلہ کا نام ہے جو بڑا جنگجو تھا، بہت سے لوگوں کو قیدی بنایا، اصلی نام عمر یا عبد شمس تھا، اور قحطان کے پوتے تھے۔

قوم سبا کے باغات بڑے مشہور تھے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لقد کان لسبا فی مسکنهم آیة جنتٰن عن یمین وشمال﴾ قوم سبا کی رہائش گاہ میں ان کے لیے ایک بڑی نشانی ہے کہ ان کے دائیں اور بائیں دو طرفہ باغات ہیں۔ (ارض القرآن)

حمیر : ملک یمن کے مشرقی جانب میں سبا کی حکومت تھی، اور مغربی جانب جہاں ایک طرف بحر عرب اور دوسری طرف بحر احمر ہے۔ یہاں حمیر کی حکومت تھی۔ بحری تجارتوں نے حمیر کو خوب چمکا دیا تھا۔ علماء کہتے ہیں کہ حمیر سبا کے جانشین فرزند کا نام تھا، اس

لئے وہ تمام تاریخ میں بجائے سبا کے حمیر سے مشہور ہوئے۔

حمیر کے حکمران کا مسکن ریدان تھا، اور یہی پایۂ تخت تھا۔ سبا کی تباہی کے بعد حمیر کی حکومت سبا تک پہونچ گئی۔ پھر یہاں کا آخری بادشاہ یوسف ذونواس حبشیوں سے شکست کھاتا ہے۔ اور یہاں حبش کی حکومت قائم ہوجاتی ہے۔ (عنقریب اس کی تفصیل اصحاب الاخدود میں آرہی ہے)۔ واضح ہو کہ سبا کی حکومت تو یمن تک ہی رہی تھی لیکن حمیر کی حکومت یمن سے متجاوز ہوکر حضرموت تک پہونچ گئی تھی۔

تبابعہ : تبابعہ: تبع کی جمع ہے۔ ممکن ہے کہ یہ متبوع کے معنی میں ہو۔ یعنی جس کی پیروی کی جائے۔ سبا پہلا طبقہ ہے، حمیر دوسرا طبقہ، تبابعہ یہ تیسرا طبقہ ہے۔ سبا اور ریدان کے علاوہ جو یمن کے علاقے تھے وہاں تبابعہ کی حکومت رہی، گویا یہ بھی یمن کے بادشاہوں کا لقب ہے۔ یمن کی سلطنت تین حصوں میں بٹی۔ ایک حصہ سبا کی طرف، ایک حصہ ریدان کا حمیر کی طرف، اور کچھ علاقے تبابعہ کی طرف۔

تبابعہ تقریباً ستر ہوئے ہیں، لیکن مشہور تین ہیں: (۱) تبع اکبر جس کا نام الحارث تھا (۲) تبع اوسط جس کا نام اسعد ابوکریب تھا (۳) تبع اصغر جس کا نام تبع بن حسان ہے۔

قرآن کریم میں جس تبع کا ذکر ہے وہ تبع اوسط ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعثت سے پہلے ایمان لے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''میری امت میں سبقت کرنے والے (یعنی میری بعثت سے پہلے ایمان لانے والے) تین ہیں۔ ایک صاحب یٰس حبیب نجار، دوسرا تبع، تیسرا ورقہ بن نوفل۔ (معارف القرآن)

اصحاب الاخدود، اصحاب الفیل :

یمن کا آخری بادشاہ یوسف ذونواس ہے۔ جب عبداللہ بن تامر کی ایمان پر

ثابت قدمی اور کرامت کے سبب تقریباً ۲۰ ہزار لوگ ایمان لے آئے تو بادشاہ ذونواس نے جو بت پرست تھا سارے ایمان والوں کو آگ کی خندق میں ڈال کر ہلاک کر دیا۔

اسی واقعہ کا ذکر سورۂ بروج میں ہے۔ جب اس واقعے کی خبر روم کے عیسائیوں کو پہونچی (جو اس وقت تک دین برحق تھا) تو انھوں نے حبشہ کے بادشاہ کو انتقام لینے کا حکم دیا ۔ چنانچہ نجاشی اپنے دو کمانڈر ابرہہ اور ارباط کو روانہ کرتا ہے۔ اطلاع ملتے ہی ذونواس فرار ہو جاتا ہے اور دریا میں غرق ہو کر مر جاتا ہے۔ اس طرح یمن پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد دونوں کمانڈر ابرہہ اور ارباط حکومت کے لئے لڑ پڑتے ہیں۔ ابرہہ غالب آتا ہے اور اس کی حکومت یہاں قائم ہو جاتی ہے۔ ابرہہ خوشی میں صنعاء (دارالسلطنت) میں ایک خوبصورت گرجا بناتا ہے، اور لوگوں کو اسی گرجا کے حج کا حکم دیتا ہے۔ اسی دوران عربوں کے ایک قافلے کی جانب اس گرجا کی بے حرمتی کی شکایت ملتی ہے، تو وہ بیت اللہ پر ہاتھیوں کے ذریعے حملے کا پروگرام بناتا ہے۔ جس میں وہ ناکام رہتا ہے اور آسمانی عذاب (کنکریوں) کے ذریعے ہلاک کر دیا جاتا ہے، تو یہی ابرہہ کا لشکر اصحاب الفیل سے مشہور ہوا، اور ذونواس کے ماننے والے خندق کھودنے کی وجہ سے اصحاب الاخدود سے مشہور ہوئے۔ (ارض القرآن)

سلسلۂ ابراھیمی:

حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں۔ سارہ، ہاجرہ، قطورا۔ سارہ کے بیٹے حضرت اسحاقؑ ہیں، اور اسحاقؑ کے دو بیٹے، یعقوبؑ جن کی نسل بنی اسرائیل سے مشہور ہوئی، دوسرے بیٹے عیسو جن کا لقب ادوم تھا، یہ اپنے بھائی یعقوبؑ سے الگ ہو کر اپنے چچا اسماعیل کے پاس جا کر عرب میں متوطن ہوئے، اور اسماعیلؑ کی بیٹی باسمہ سے ان کا نکاح ہوا۔

قطورا کے بطن کی تمام اولاد (جن میں ایک کا نام مدین تھا) ان سب کو ان کے باپ نے عرب ہی میں بسایا، اور یہ سب بنو مدین سے مشہور ہوئے۔ ہاجرہؓ کے بطن سے صرف ایک بیٹے اسماعیلؑ ہیں، انہوں نے اپنے والد کے حکم سے مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی۔

بنو قطورا (مدین): مدین جو موسیٰ کی ہجرت گاہ ہے اور شعیبؑ کی بستی ہے، یہ شہر اپنے باپ مدین کی طرف منسوب ہے، یہاں بنو قطورا آباد تھے، مدین ۲۲۰۰ رقبل مسیح کا یہ شہر ہے۔ ان کی طرف اللہ نے حضرت شعیبؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا، یہاں کے لوگوں کے مذہبی اور اخلاقی حالات بڑے خراب تھے، بتوں کی پرستش، اوران کے لیے قربانی، ظلم وستم گری، ناپ وتول میں کمی ان کی بری عادتوں میں شامل تھی، بنی اسرائیل جب مصر سے نکل کر مدین کے میدانوں میں خیمہ زن ہوئے، تو مدین کی عورتوں نے بنی اسرائیل کے جوانوں کو بگاڑ دیا، اور بت پرستی میں مبتلا کر دیا۔

اصحاب الأیکہ: ایکہ کے معنی جھاڑی کے ہیں، یہ قوم جھاڑیوں کے پاس آباد تھی، ان کی طرف بھی اللہ تعالیٰ نے شعیبؑ کو بھیجا، بعض مورخین کا کہنا ہے کہ اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی ہیں۔

مدین کے اردگرد جھاڑیاں تھیں، وہ لوگ کبھی مدین اور کبھی جھاڑیوں میں آ کر قیام کرتے تھے۔ دوسرے بعض مورخین کی رائے ہے کہ مدین سے ۶ رمرحلہ پر ایک مقام واقع ہے جس کا قدیم نام ایکہ ہے، اور حالیہ نام تبوک ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ددان کو ہی ایکہ کہا جاتا ہے۔ ترتیب اس طرح تھی ثمود وادی قری میں، قوم شعیب مدین میں، قوم لوط سدوم میں، اسی راستے پر شام وحجاز کے بیچ تبوک تیما اور ددان واقع ہے۔ (ارض القرآن)

بنوسارہ، بنوادوم، حضرت ایوبؑ: حضرت یعقوبؑ کے ایک بھائی عیسو (ادوم) اپنے عم مکرم اسماعیلؑ کے پاس رہے، ان کی نسل سے عمالق اور عوض ہوئے، ان سب کو وہ لے کر کوہ سعیر (سراۃ) پر رہے، اور اس کو اپنا مسکن بنایا، اور پھر خوب نسل پھیلی۔ عوض کی اولاد میں حضرت ایوبؑ ہیں۔

بنو ہاجرہ، اصحاب الرس، اصحاب الأیکہ، انصار، قریش:

ہاجرہ اصل میں عبرانی لفظ ہاغار ہے، جس کے معنی ہیں بے گانہ، اجنبی۔ چوں کہ اصل وطن مصر تھا، ابراہیمؑ اور حضرت سارہ جب مصر گئے تھے، تو وہاں کے حاکم نے دیگر انعام واکرام کے ساتھ اس باندی کو بھی ساتھ کر دیا تھا، اس لیے یہ ہاجرہ سے مشہور ہوئیں، ان سے حضرت اسماعیلؑ ہیں جن سے عربوں کی نسل ہے۔ اور سارہ سے اسحاقؑ ہیں، جن سے بنی اسرائیل کی نسل ہے۔

اسماعیل: یہ بھی عبرانی زبان کا لفظ ہے اصل میں شماع ایل تھا، شماع کے معنی سننا، اور ایل کے معنی خدا کے ہیں، ابراہیمؑ کی دعاء اللہ تعالیٰ نے سنی، اور ان سے اسماعیلؑ پیدا ہوئے، بشری تقاضے سے حضرت سارہ کو جو اَب تک لاولد تھیں حسد ہونے لگا، اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے ہاجرہ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ میں بسایا۔

اسماعیلؑ کی کل تیرہ اولاد تھیں۔ ایک لڑکی اور بارہ لڑکے، لڑکی کا نام باسمہ تھا، اور لڑکوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) نیابوط (۲) قیدار (۳) ادبائیل (۴) مبشام (۵) مشماع (۶) دوما (۷) مشا (۸) حدر (۹) تیما (۱۰) یطور (۱۱) نفیس (۱۲) قیدماہ۔

یہ سب اپنے اپنے خاندان کے رئیس ہوئے۔ عرب کا ایک مقام دومۃ الجندل دوما کی طرف اور مقام تیماء، تیما بیٹے کی طرف منسوب ہے۔

عرب میں ایک خاندان اصحاب الرس ہوا، جس میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) ایک قول یہ ہے کہ یہ قبیلہ اسماعیلؑ کے بیٹے قیدماہ کی طرف منسوب ہے، بعض نے کہا کہ رس کے معنی کچے کنویں کے ہیں، اور یہ قوم کنویں کے پاس آباد تھی اور بعض نے آذربائیجان کے ایک مقام کا نام بتایا ہے۔ (ارض القرآن)

بڑے بیٹے نیابوط کا خاندان اصحاب الحجر بتایا گیا ہے، لیکن اصحاب الحجر میں ایک قول گذر چکا ہے کہ وہ قوم ثمود ہے۔ بعض نے بڑے بیٹے نیابوط کی طرف منسوب کرتے ہوئے نبطی اور انباط استعمال کیا ہے، جو عجمی اور بدوی کا مترادف ہے، انباط عرب کے ایک بڑے خاندان کا بھی نام ہے۔

انباط خاندان مٹ جانے کے بعد حدودِ شام میں ایک اور حکومت قائم ہوئی، جو آلِ غسان اور غساسنہ سے مشہور ہے۔ یہ بھی اسماعیلؑ کے اسی بیٹے نیابوط کی طرف منسوب ہے، واضح ہو کہ نیابوط اور نابت، اہل عرب دونوں استعمال کرتے ہیں، تو نابت بن اسماعیل کی طرف، انباط خاندان اور غساسنہ، اسی طرح اوس وخزرج منسوب ہیں۔ ایک موقع پر حضرت ابوہریرہؓ نے انصار کو حضرت ہاجرہؑ کا قصہ سنایا اور فرمایا: "تلک امکم یاماء السماء" یہ تمہاری ماں ہیں، اے انصار! نابت بن اسماعیل کی دو شاخیں ہوئیں۔

(۱) غساسنہ (۲) اوس وخزرج (انصار مدینہ)

اوس وخزرج (انصار مدینہ): اس قبیلہ کی متعدد شاخیں تھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔ اَوس، ان کی صرف ایک اولاد تھی جن کا نام مالک تھا، مالک کی اولاد سے پانچ شاخیں ہیں۔

(۱) عمرو بن مالک۔ ان سے بنوعبدالأشہل اور بنوظفر ہیں۔

(۲) عوف بن مالک۔ان سے بنی عمرو بن عوف ہیں جو اہل قباء بھی کہلاتے ہیں اور بنو نجی بھی ہیں۔

(۳) مرۃ بن مالک۔ان سے بعارد ہ ہیں۔

(۴) سالم بن مالک۔ان سے بنو واقف اور قبیلہ سعد بن خثیمہ ہیں۔

(۵) عبداللہ بن مالک۔ان سے بنو ظفر ہیں۔

خزرج کے پانچ بیٹے تھے جن سے خزرج کی پانچ شاخیں بنیں:

(۱) جشم بن خزرج۔ان سے بنو تزید۔بنو سلمہ۔بنو بیاضہ ہیں۔

(۲) عوف بن خزرج۔ان سے بنو الحبلی (قبیلہ عبداللہ بن ابی بن سلول)، بنو قواقل اور بنو سالم ہیں۔

(۳) حارث بن خزرج۔ان سے کچھ نہیں۔

(۴) عمرو بن خزرج۔ان سے بنو نجار ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی رشتہ کے ہیں۔

(۵) کعب بن خزرج۔ان سے بنو ساعدہ (جن کا سقیفہ مشہور ہے) یہ سعد بن عبادہؓ کا قبیلہ ہے۔

فائدہ: مدینہ اور اطراف مدینہ میں ابتداء یہودی بڑے طاقت ور تھے، ان کے تین بڑے قبائل تھے۔بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع۔پھر مدینہ سے لے کر حدود شام تک خیبر، فدک، تیماء یہ سب یہودیوں کے مراکز تھے، انصارِ مدینہ قبل الاسلام مال و دولت اور ہنر، ساری چیزوں میں کمزور تھے انہوں نے اپنے ہم نسب غسانہ (حکومت شام) سے مدد طلب کی تو یہودی دبے۔(ارض القرآن)

قیدار: اسماعیلؑ کے دوسرے بیٹے کا نام قیدار تھا، یہ اعزاز میں تمام بھائیوں سے ممتاز تھے، قیدار کے معنی عربی میں غم کے ہیں، باپ کی مفارقت پر یہ نام حضرت اسماعیلؑ نے رکھا تھا، قیدار کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ توریت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ذکر کیا ہے۔ مزید برآں وہ نور الٰہی جو آدمؑ و ابراہیمؑ کو ودیعت ہوا تھا، وہ اسماعیلؑ کے بیٹے قیدار کی پشت سے دنیا میں جلوہ افروز ہوا یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قیدار کی نسل عدنان کی شاخ سے ہیں، قیدار کے بیٹے اور جانشیں عدنان ہیں، پھر عدنان کے ایک بیٹے کا نام معد، اور معد کے دو بیٹوں میں سے ایک کا نام نزار ہے اور نزار کے پانچ بیٹے انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ، مضر ہیں۔ عرب کے تمام قیداری قبائل مضر کی شاخ ہیں، مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے عدنانی کہا جاتا ہے۔ پانچوں بیٹوں میں انمار و ایاد کی وقعت نہیں تھی لیکن باقی خوب چمکے۔

قریش: نزار کی اولاد میں ایک مضر ہیں، جن کی مختلف شاخیں تھیں، ایک شاخ قریش بھی تھی، جن کے بانی فہر بن مالک تھے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے، فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

قریش کی مختلف وجہ تسمیہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ یہ تقرُّش سے ہے، جس کے معنی کمانے کے ہیں۔ یہ لوگ کمانے اور تجارت میں بہت مشہور تھے۔ بعض نے کہا کہ قریش ایک دریائی جانور کا نام ہے، جو بہت طاقت ور ہوتا ہے۔ فہر نے یہ لقب قوت کی بناء پر اختیار کیا۔

قریش چھوٹے چھوٹے دس خاندان پر مشتمل تھا، ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم۔ قرآن پاک میں قریش کا تذکرہ صراحۃً ایک مرتبہ ہے۔ اور اشارۃً بہت سے مقامات پر ہے۔ (ارض القرآن)

محاضرہ(۳۱)

اسلام سے پہلے عرب کی زبانیں

ملک عرب کی زبان بھی ''شجرۂ السنۂ'' سامیہ کی ایک شاخ ہے، وہ تمام قطعہ جو بنی سام کی آبادی کہلاتی ہے، حبش سے لے کر یمن، نجد، حجاز کو طے کرتے ہوئے بابل اور شام کے کناروں پر ختم ہوتی ہے۔ عرب اس کے بیچ میں ہے۔

سامی زبانیں تین مرکزوں پر منقسم ہوتی ہیں: عربی، بابلی، شامی۔ ہر ایک کی متعدد شاخیں ہیں۔

(۱) **عربی:** آرامی، ثمودی، مدیانی، نبطی، عدیانی، سبائی، حمیری، حبشی یہ سب زبانیں عربی کی ہیں۔

(۲) **بابلی:** آرامی، کلدانی، سریانی یہ تینوں بابلی زبان کی شاخیں ہیں۔

(۳) **شامی:** آرامی، فینقی، عبرانی، ندمری یہ زبانیں شامی کی شاخ ہیں۔

عربیت یا تو الہامی زبان ہے، جو یعرب بن قحطان کو الہاماً سکھائی گئی۔ یا اصل زبان آرامی ہے، جو عاد و ثمود عرب بائدہ کی زبان ہے۔ اور یہی آرامی اسماعیلؑ کی زبان تھی۔ (ارض القرآن)

اسلام سے پہلے عرب کے مذاہب:

مغرور انسان قدم قدم پر اپنے عجز و درماندگی کے اعتراف پر مجبور ہے، وہ ہمیشہ ایسی طاقت کی تلاش میں رہتا ہے جو اس کے عجز کی تلافی کر سکے۔ اس لیے وہ ابتداءً گھنے

درخت، اونچے پہاڑ، پرشور دریا کو خدا مان لیتا ہے، پھر جب انسان نے ان سب چیزوں کی بے بسی کو آزمالیا، تو اس کی نظر آسمان کے سیارات پر گئی، اور اس کی پرستش شروع کر دی پھر جب ان ستاروں کی کمزوری کا احساس ہوا تو غیر محسوس روحوں کا تسلط شروع ہوا، جو آنکھوں سے اوجھل ہیں تو قوت متخیلہ نے ان کی تصویر کھینچ کر سامنے کر دی تو مجسمے بنے، اور ان کی پرستش شروع کی، اس لیے عرب کی سرزمین پر ہر درجہ کی تاریخ موجود ہے۔ اجسام پرستی، ستارہ پرستی، بت پرستی، ارواح پرستی، الحاد اور انکار خدا تک کے نظریہ موجود تھے، بعضے لوگ دین ابراہیمی، موسوی، عیسوی کے بھی پیروکار تھے۔

امم سامیہ اولیٰ: یعنی عاد و ثمود جرہم کا مذہب بھی قرآن کریم کی روشنی میں بت پرستی معلوم ہوتا ہے۔ بنو قحطان جو امم سامیہ اولیٰ کے بعد جنوب عرب میں برسر اقتدار ہوئے یہ سب ستارہ پرست تھے، وہ ستاروں کو ارواح طیبہ کا مستقر مانتے تھے۔ بنو قحطان ابتداء میں ستارہ پرست تھے، لیکن بعد میں بت پرستی آ گئی، ان کے بہت سے دیوتا تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بنو قحطان کے آخری مقتدر قبائل حمیر اور ہمدان کے بڑے بڑے دیوتا تھے، جن کے نام یہ ہیں عمدان، ریام، ذوالخلصہ، قلیس۔

عمدان: سات منزلیں تھیں، جن سے سات آسمان و زمین اور ہفتے کے سات دن کی ضرورتیں مراد ہوتی تھیں۔

ریام: یہ ہیکل یمن میں واقع تھا، جس میں چاند و سورج کی دو مورتیاں تھیں، اور اس پر قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔

ذوالخلصہ: مکہ سے سات منزل کے فاصلے پر یمن کی جانب تھا، اس کو یمن کا کعبہ کہا جاتا تھا، ایک سفید مرمر کا بنا ہوا بت ایستادہ تھا، جس کے گلے میں ہار اور شتر مرغ

کے انڈے لٹکاتے تھے۔

قلیس: کلیسا کا معرب ہے اہل حبش نے صنعاء میں بنوایا تھا، اس میں دو بت نصب تھے، جو میاں بیوی کہلاتے تھے۔

اہل مدین، ددان، اصحاب ایکہ یہ حضرات بعل بت کی پرستش کرتے تھے، بنو ادوم اور حضرت ایوب علیہ السلام کی قوم سورج اور چاند کی پوجا کرتی تھی، اصحاب الرس اور اصحاب الحجر کے بارے میں ستارہ پرستی اور بت پرستی کی شہادت ملتی ہے، اوس اور خزرج اور ان کے تمام ہم نسب قبائل دیوتاؤں کے پجاری تھے۔ منات ایک پتھر کی چٹان تھی، تمام شاہان غسان اس کی نذر مانتے تھے۔ (ارض القرآن)

بنوقیدار عدنانی قبائل ابتداءً یہ حضرات اپنے باپ دادا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے مذہب پر تھے، لیکن ان میں بھی بت پرستی شروع ہوگئی اور سب سے پہلے بت لانے والا عمرو بن لحی ہے۔ ان کا سب سے بڑا بت ھُبل تھا، جو خانہ کعبہ میں نصب تھا، لات طائف میں، عزی مقام نخلہ میں۔

عدنانی بعض قبائل ستارہ پرست بھی تھے، جیسے قبیلۂ خزاعہ ستارہ شعری کی، تمیم ستارہ دبران کی، قریش ستارہ زحل کی، اور کنانہ چاند کی پرستش کرتے تھے۔

چند بتوں کے نام:

لات: ستو گھولنے کے معنی میں ہے، عرب میں ایک شخص ایک چٹان پر بیٹھ کر حاجیوں کو ستو گھول کر پلاتا تھا، لوگوں نے اس چٹان کی پرستش شروع کردی۔

عُزّٰی: اس کے معنی ہیں غلبہ پانا، یہ عزت اور غلبہ کی دیوی تھی۔ جنگ احد کے موقع پر ابوسفیان نے کہا تھا: لنا العزی ولا عزیٰ لکم تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

کہا:اللہ مولانا ولامولی لکم۔

منات: منی سے مشتق ہے،جس کے معنی ہیں خون بہانا، یہ قربانی کا دیوتھا،منی کے معنی تقدیراور قسمت کے بھی ہیں،یعنی یہ تقدیروقسمت کا دیوتھا۔

ود: محبت کی دیوی، بابلی زبان میں،ودآفتاب اورسورج کے معنی میں آتا ہے۔

سُواع: مشتق لفظ عربی زبان میں نہیں ملتا۔

یعوق: روکنا، یہ دیوتا مصیبتوں کودفع کرنے اورروکنے والا تھا۔

یغوث: کے معنی ہیں مدداورفریادرسی کرنا۔

نسر: نسر کے معنی گدھ کے ہیں، اس شکل کا ایک مجموعۂ کواکب آسمان میں ہے،اہل بابل کا یہ دیوتا تھا۔

بعل: یہ شام کا دیوتا ہے،بعل کے معنی قوت کے ہیں،مجازاً آقااورشوہر کے معنی میں مستعمل ہے۔(ارض القرآن)

نزول قرآن کے وقت کے چند مذاہب:

نصاریٰ: ظہوراسلام کے وقت انہونے بھی اپنے دین کومسخ کرلیا تھا،اورکئی گروہوں میں بٹ گئے تھے،تثلیث، الوہیت مسیح،تصلیب مسیح،عقیدۂ کفارہ، یہ سب عقیدےاورنظریےان میں موجود تھے۔

تثلیث: یعنی خدا،روح القدس،حضرت عیسی علیہ السلام کواقانیم ثلثہ کہتے تھے، اور یہ کہ خدا کی ازلیت وابدیت کا وجودان تینوں سے مل کر ہوا،اس عقیدہ کو وہ توحید فی التثلیث کہتے تھے۔

الوھیت مسیح : بہت سے نصاری حضرت عیسیٰؑ کوقاضی الحاجات،دافع

البلیات سمجھ کر پکارتے تھے، یہ الوہیت کا کھلا دعوی تھا، قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ء أنت قلت للناس اتخذوني وأمي إلٰهين من دون الله﴾ اے عیسیٰ کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے سواء معبود مان لو۔

تصلیب وعقیدۂ کفارہ: اس کا مطلب یہ تھا کہ عیسیٰ کو سولی دے دی گئی، اور وہ تمام نصاری کے گناہوں کا کفارہ بن گئے، اب کسی عیسائی کو اخروی سزاء نہ ہوگی، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وما قتلوه وما صلبوه** انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا اور نہ سولی دی، **بل رفعه الله اليه** بل کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کا آسمان پر اٹھایا جانا مقدر تھا، اس لیے حضرت عیسیٰؑ نے شادی نہیں کی، تو ان میں ایک غلط نظریہ پھیل گیا کہ اللہ سے قرب حاصل کرنے کے لیے ترک دنیا اور ترک لذات کرنا پڑے گا، تو انہوں نے رھبانیت اختیار کرلی، لیکن اس کا حق ادا نہیں کرسکے، گمراہیوں اور فتنوں میں مبتلا ہوگئے۔

یھود: یہ قوم دین اور عقیدے کے بہ نسبت اپنے نسب اور نسل سے زیادہ مشہور ہے۔ یعقوبؑ کی اولاد ہونے پر بڑا ناز تھا۔ ان کے مذہبی پیشوا، رہبان اور احبار سے مشہور ہوئے۔ اسلام کی تحریک، علم اور عمل کی بنیاد پر تھی۔ اور یہ حضرات کتمان علم کے عادی اور عمل چور تھے۔ اس لیے اسلام سے بغض اور نفرت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**لتجدن اشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود**﴾ یقیناً تم یہود کو ایمان والوں کے ساتھ زیادہ دشمنی کرتے ہوئے پاؤ گے۔

دوسرا مرض حُب مال کا تھا۔ مال کی محبت کی بنیاد پر بڑی بڑی رشوتیں لیتے تھے،

اور یہ جرم ایسا بڑھا کہ انبیاءؑ تک کو قتل کر ڈالتے۔ یہاں تک کہ ان کے دل سخت ہو گئے۔ لیکن ان میں چند لوگ اس قساوت اور شقاوت سے محفوظ تھے۔ یہ وہی حضرات تھے جو مشرف باسلام ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لیسوا سواء من اهل الکتٰب أمة قائمة یتلون اٰیٰت اللّٰه آناء اللیل وهم یسجدون﴾ وہ یہود برابر نہیں ہیں، ان اہل کتاب میں معتدل لوگ بھی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی رات کے حصوں میں تلاوت کرتے ہیں، سجدہ کرتے ہوئے۔ (لیکن اکثر افراد ناقابل اعتماد تھے)

اخیر وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے کاغذ طلب کیا اور وصیتیں لکھیں۔ جس میں یہ وصیت بھی شامل تھی، "اخرجوا الیهود من جزیرة العرب"۔ یہود کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔

ان یہودیوں میں اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی کئی برے عقیدے تھے۔ مثلاً، اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمیں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ساتویں دن تھک جانے کے سبب آرام کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اسی کی تردید فرمائی: وما مسنا من لغوب ہم کو کوئی تھکن لاحق نہیں ہوئی۔ بعض یہود عقیدۂ تشبیہ میں مبتلا تھے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اعضاء مخلوق کے مشابہ ہیں۔ (آثار)

مجوس: نزول قرآن کے وقت یہ مذہب ایران میں موجود تھا۔

زرتشت: دین زرتشت کی بنیاد اس پر تھی کہ روح خیر اور روح شر میں جنگ جاری ہے، زرتشت اصلاً ایک شخص کا نام ہے جس نے اس نظریے اور مذہب کی بنیاد رکھی، زرتشت حضرت عیسیٰ سے سات سو سال پہلے کا ہے۔

اس سے پہلے ایران کا مذہب مزدائیت کا تھا، زرتشت مزدائیت کا مصلح تھا، اس مزدائیت میں جو کمی اور خامی تھی اس کو دور کیا لیکن خود زرتشت نے ثنویت (دو خدا) کی بنیاد رکھی، اور ایک نامکمل توحید اور ناقص دین کی رہبری کی، مزدا کے معنی حکیم کے ہیں اس سے حق تعالیٰ کی ذات مراد ہے لیکن وہ کہتے تھے کہ اس کی تجلیات دوسری ہستیوں میں منتقل ہوگئیں۔

اس مجوسیت کا مصلح ایک اور شخص پیدا ہوا جس کا نام مانی تھا ۲۱۵ء میں ظاہر ہوتا ہے اور زرتشت، عرفانیت، عیسائیت سارے مذاہب کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کرتا ہے لیکن یہ بھی دو جوہر اصلی کا عقیدہ رکھتا تھا، اس لئے مجوس کی طرح یہ بھی عقیدۂ ثنویت کی طرف آ گیا۔ (آثار)

نزول قرآن کے وقت کے اور دو مشہور علاقے تھے، روم اور ہند۔ روم میں زیادہ عیسائی لوگ تھے اور یونانی اثرات کے ماتحت اجرام فلکی کے پرستار تھے۔

ہند یہاں زیادہ مشرکین تھے جو اصنام، عناصر، اجرام فلکی، نباتات، حیوانات وغیرہ کے پرستار تھے یہاں کے لوگ دینی تصورات کے ماتحت مختلف ذاتوں میں بٹے ہوئے تھے، بدھ مذہب کے لوگ بھی یہاں کثیر تعداد میں موجود تھے۔ (آثار)

محاضرہ (۳۲)

مہمات القرآن

ثبوت باری: قرآن کریم کا پہلا اہم موضوع ثبوت باری ہے، یہ دنیا میں وجود انسان سے آج تک تمام کا متفقہ عقیدہ ہے، لیکن ایک چھوٹی سی جماعت ملاحدہ منکر خدا ہے، ان حضرات کے لیے تین شبہات راہ معرفت میں حائل ہیں۔

(۱) قطعی علم کا ذریعہ حس اور وجدان ہے، اور ان دونوں راہوں سے خدا کا وجود ثابت نہیں ہے۔

(۲) باری تعالیٰ کی ذات وحقیقت تصور سے بالاتر ہے، جس کی کنہ معلوم نہ ہو وہ کیونکر ثابت ہو سکتی ہے۔

(۳) اگر خدا کی ہستی کو تسلیم کر لیا جائے تو عالم میں جو شر ہے وہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود حس اور وجدان سے ثابت ہے، اسی لئے ایک بڑی تعداد وجود باری کی قائل ہے۔

جو لوگ قائل نہیں ان کے حس اور وجدان میں نقص ہے، جیسے وجدانی بینائی بگڑ جائے تو کچھ نظر نہیں آتا، یہی حال ان ملاحدہ کا ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ بہت سی چیزیں ہیں جن کی کنہ اور حقیقت معلوم نہیں پھر بھی ملاحدہ اسے مانتے ہیں، جیسے روح، حیات، مادہ، وغیرہ۔

تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ جن چیزوں میں شر سمجھا جا رہا ہے وہاں خیر کا پہلو بھی موجود ہے، جیسے غصہ، اور شہوت جس کو برا سمجھا جاتا ہے لیکن اس میں بھی خیر ہے، اگر غصہ نہ ہو تو حق کے لیے قتال کیسے کرے، اگر شہوت نہ ہو تو بیوی سے اولاد کیسے ہو، وہ پانی اور آگ جس کے منافع بے شمار ہیں، اگر کہیں سیلاب آجائے یا آگ لگنے سے ہلاکت ہو جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ آگ اور پانی شر کیلئے پیدا کئے گئے، غرضیکہ شر بالذات نہیں ہے۔

ثبوت باری تعالیٰ پر دلائل: ثبوت باری پر بے شمار نقلی اور عقلی دلائل موجود ہیں، یہاں چند عقلی دلیلیں دی جارہی ہیں:

دلیل غرقی: امام جعفر صادقؒ سے کسی نے وجود باری پر دلیل مانگی تو اس سے پوچھا بتاؤ اگر تم دریا میں ڈوب رہے ہو اور کوئی ظاہری وسیلہ نہ ہو، تو بھی بچنے کی امید ہے یا نہیں اس نے کہا ہاں فرمایا وہی سہارا خدا ہے۔

دلیل فلکی: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا جب ایک لکڑی کی کشتی بغیر کسی کے بنائے نہیں بن سکتی، تو عالم اور کائنات بغیر کسی کے بنائے کیسے بن جائے گی۔

دلیل توتی: امام شافعی فرماتے ہیں کہ شہوت کے پتے بکری کھاتی ہے تو مینگنیاں بنتی ہیں، ریشم کا کیڑا کھائے تو ریشم بنتا ہے، شہد کی مکھی کھائے تو شہد تیار ہوتا ہے۔ یہی چیز اللہ کے وجود پر دال ہے کہ ایک چیز میں کئی خاصیتیں اللہ نے رکھی ہیں۔

دلیل صوتی: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک انسان کی آواز دوسرے انسان کی آواز سے نہیں ملتی، میں نے خدا کو اس طرح پہچانا۔

دلیل بیضی: مرغی کے انڈے سے بچہ نکلتا ہے، انڈے توڑنے کے وقت

کا ملہم خدا ہے۔

دلیل نباتی: یہ گوناگوں پودے، خوشبودار پھل، لکڑیاں یہ سب خدا کے وجود پر دال ہیں۔

دلیل لسانی: زبانیں اللہ تعالیٰ نے مختلف بنائی ہیں۔

دلیل حبی: پوری دنیا میں محبت کا نظام فطرتاً موجود ہے، ایک محبت تو ناقص ہے، جو ماں کو اولاد کے ساتھ ہے اور ایک محبت کاملہ ہے، جو ذات باری کے ساتھ انسانوں کو ہے اور محبت کے لیے محبوب ہونا چاہئے۔

دلیل التجائی: کفار و مشرکین بھی جب مضطر اور مجبور ہو جاتے ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔

دلیل ترتیبی: لیل و نہار گرمی و سردی بہار و خزاں یہ ساری چیزیں ترتیب وار آرہی ہیں مرتب کون ہے؟ وہ ذات وحدہ لاشریک ہے۔

دلیل حیاتی: اس عالم میں حیات ہے، حیات کا سرچشمہ وہ ذات وحدہ لاشریک ہے۔

دلیل ذکری: اللہ تعالیٰ کی یاد سے انبساط و اطمینان حاصل ہوتا ہے، معدوم کے ذکر میں یہ آثار نہیں ہوتے۔ (علوم القرآن افغانی، آثار)

توحید باری: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے وحدانیت پر خوب زور دیا ہے، قرآن پاک کی بے شمار آیتیں ہیں جن میں وحدانیت کا ذکر ہے۔ اسی طرح کتنی آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی مذمت بیان کی، اور یہ حقیقت ہے کہ اگر چند خدا ہوتے تو کائنات کا نظام فاسد اور درہم برہم ہو کر رہ جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: ﴿لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا﴾ اگر آسمان وزمین میں چند خدا ہوتے تو دونوں کا نظام فاسد ہوجاتا، ظاہر ہے کہ اگر ایک جوتے میں دونوں پاؤں ڈال دیے جائیں تو جوتا پھٹ جائے گا۔

نبوت: قرآن پاک کا تیسرا اہم موضوع نبوت اور اتباع رسالت ہے، نبوت یا تو نبأ بمعنی خبر سے ماخوذ ہے، چوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتے ہیں، یا نبوت بمعنی رفعت وبلندی سے ماخوذ ہے کہ وہ تمام لوگوں میں رفیع اور بلند ہیں، اشاعرہ نے نبی اور رسول کی یہ تعریف کی ہے۔

"من قال لہ اللہ ارسلتک الی قوم او الی الناس جمیعا" یعنی جن سے اللہ تعالیٰ کہیں کہ میں نے تم کو ایک قوم یا تمام لوگوں کی طرف بھیجا۔

خصوصیات نبی: (۱) انتخاب الٰہی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللّٰہ یصطفی من الملائکۃ رسلا من الناس اللہ تعالیٰ فرشتے اور انسانوں میں سے پیغمبروں کو چن لیتے ہیں، دوسری جگہ ارشاد ہے، اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کن کو عطا کریں۔

(۲) نبی کے علوم وہبی ہوتے ہیں کسبی نہیں۔

(۳) حسن صورت وسیرت، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آیا ہے، "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس خلقا وخلقا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں خلقت اور اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھے تھے۔

(۴) علمی اور عملی کمال حاصل ہوتا ہے۔

(۶) تکمیل علمی وعملی، یعنی جو پیغمبر کی تربیت میں داخل ہو جائے وہ علم وعمل میں کامل ہو جاتا ہے۔

(۷) نبی کی معاشی زندگی، اخلاقی کردار، امارت اور فقر دونوں میں مساوی ہوتے ہیں۔

(۸) ان کی زندگی میں تصنع، تکلف اور بناوٹ نہیں ہوتی۔

(۹) اطاعت الٰہی کا مکمل نمونہ ہوتے ہیں۔

(۱۰) دعوی نبوت کی تائید میں خوارق اور معجزات کا ظہور ہونا ہے، شرح مواقف میں معجزے کی سات شرطیں لکھی ہوئی ہیں، خدا کا فعل ہو، خارق عادت ہو، اس کا معارضہ اور مقابلہ ناممکن ہو، مدعی نبوت سے ظاہر ہو، دعوی کے موافق ہو، کسی نبی کا مکذب نہ ہو، دعوی پر مقدم ہو۔

ختم نبوت: قرآن کریم کی سو سے زائد آیتوں میں ختم نبوت کا اشارہ ہے، بالخصوص سورۂ احزاب کی یہ آیت بالکل صریح ہے ﴿ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیّن﴾ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں۔

اسی طرح سورۂ بقرہ کی آیت ختم الله علی قلوبهم اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دیا۔ اگر مہر کی تعبیر سے ان کے لیے ایمان کا دروازہ بند ہونا معلوم ہوتا ہے تو خاتم النبیین کی تعبیر سے نبوت کا دروازہ بند ہونا معلوم ہوگا۔

علماء نے لغت میں خاتم النبیین کے جتنے معنی ذکر کیے ہیں، سب سے ختم نبوت کی تائید ہوتی ہے، مفردات القرآن میں ہے "خاتم ای ختم به نبوة"، محکم میں ہے

"خاتم کل شیء،ای آخرہ وعاقبہ"

اخیر میں اور پیچھے آنے والا،تہذیب میں ہے "خاتم النبیین ای آخرھم" تاج العروس میں ہے"خاتم بالفتح و بالکسر" "ای ھوالذی ختم النبوۃ بمجیئہ"یعنی جن کی آمد سے نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

قیامت،معاد،مجازات اعمال:

قرآن کریم کا ایک تیسرا اہم موضوع قیامت ،آخرت اور اعمال کی جزا اور سزا ہے،قرآن میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں،اور نام کی کثرت عظمت پر دلالت کرتی ہے،امام سیوطیؒ نے تقریبا ۸۰ نام ذکر کیے ہیں "الساعۃ"اچانک آجائے گی"القیامۃ"لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے"قارعہ" اس کی ہیبت سے لوگوں کے دل خوف زدہ ہوں گے "الحاقۃ"جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں "آزفۃ "بالکل نزدیک ہے،تفصیلات قیامت کی ایک لمبی بحث ہے۔

مختصر یہ ہے کہ قیامت کی تفصیلات کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے نفخ صور،محشر، حوض کوثر ،نامہائے اعمال،شہادت انبیاء وعلماء،شہادت کراما کاتبین ،شہادت اعضاء ومکان،وزن اعمال،عبور صراط،تقسیم نور،جنت ودوزخ کو ذکر کیا ہے۔

ثبوت بعث: تمام ادیان سماویہ مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر متفق ہیں،تمام آسمانی کتابوں میں تذکرہ ہے،تمام انبیاء نے تصدیق کی،جن سے بڑھ کر کوئی صادق اور راست باز نہیں،فلاسفہ حشر اجساد کا انکار کرتے ہیں،لیکن جزاء اور سزاء کا انکار نہیں کرتے ہیں،سعادت وشقاوت روحانی طور پر ہوگی۔

لیکن فلاسفہ کا حشر اجساد کا انکار ان کے فلسفی قاعدے کے خلاف ہے،چوں کہ

فلاسفہ ہر ممکن کو تحت القدرت مانتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ حشر اجساد ممکنات میں سے ہے، قرآن پاک کی بے شمار آیتوں میں بعث بعد الموت اور حشر اجساد کا ذکر ہے، اور عقلی دلیل بھی ہے کہ جب اس نے ابتداء سارے انسانوں کو پیدا کیا تو اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا مشکل نہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الفوز الکبیر میں قرآن کریم کے پانچ اہم مضامین کا تذکرہ فرمایا ہے: **علم الاحکام، علم الجدل، علم التذکیر بالاء اللہ، علم التذکیر بأیام اللہ، علم التذکیر بالموت و ما بعد الموت۔**

علم الاحکام: سے مراد حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق شرعی امور اور ربانی ہدایتیں ہیں۔ جس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ کے علاوہ تدبیر منزل، سیاست مدن، گھریلو اور شہری زندگی کے سارے احکام شامل ہیں۔

علم الجدل: سے مراد فرقہ باطلہ، مشرکین، منافقین، یہود و نصاریٰ کے باطل عقیدوں اور ان کے بے بنیاد خیالات کو ذکر کر کے دلائل کے ذریعہ رد کیا جائے۔

علم التذکیر بالاء اللہ: آلاء کے معنیٰ نعمت و احسانات کے ہیں، اس علم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیتوں میں اپنے انعامات اور احسانات یاد دلا کر انسانوں کو نصیحت کی ہے۔

علم التذکیر بایام اللہ : سے مراد ایام اور زمانہ میں واقع ہونے والے واقعات اور حوادثات ہیں، جن کے ذریعہ نصیحت کی جاے، جیسے قوم شعیب، قوم لوط اور عاد ثمود کے واقعات نصیحت و عبرت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذکر کیے ہیں۔

علم التذکیر بالموت و ما بعد الموت : سے مراد موت اور موت کے بعد کے حالات بیان کر کے نصیحت کرنا، جس میں نفخ صور، خروج یاجوج

وماجوج، حشر، جنت وجہنم سبھی کے تذکرے شامل ہیں۔

مآخذ ومراجع

(۱) البرہان فی علوم القرآن — علامہ بدرالدین زرکشیؒ
(۲) الاتقان فی علوم القرآن — علامہ جلال الدین سیوطیؒ
(۳) التبیان فی علوم القرآن — علامہ محمد علی صابونیؒ
(۴) مباحث فی علوم القرآن — دکتور مناع قطانؒ
(۵) التفسیر فی علوم القرآن — دکتور محمد حسین ذہبیؒ
(۶) آثار التنزیل — علامہ خالد محمودؒ
(۷) علوم القرآن — علامہ شمس الحق افغانیؒ
(۸) علوم القرآن — دکتور صبحی صالحؒ
(۹) علوم القرآن — علامہ تقی عثمانی
(۱۰) تاریخ القرآن، عرض الانوار — قاضی عبدالصمد صارمؒ
(۱۱) نسیم البیان — مولانا محمد آصف جھنگ شہریؒ
(۱۲) تاریخ ارض القرآن — سید سلیمان صاحب ندویؒ
(۱۳) برہان التنزیل — مولانا مسلم عثمانیؒ
(۱۴) بیان القرآن — حضرت تھانویؒ
(۱۵) روح المعانی — علامہ آلوسیؒ
(۱۶) ترجمۂ شیخ الہندؒ — حضرت شیخ الہندؒ
(۱۷) مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی — حضرت علامہ ابوالحسن ندویؒ
(۱۸) صحاح ستہ
(۱۹) مشکوٰۃ شریف — محمد بن عبداللہؒ
(۲۰) ریاض الصالحین — علامہ نوویؒ
(۲۱) شبہات حول القرآن الکریم — دکتور غازی عنایہ

(۲۲) الفوز الکبیر — شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ